مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

نقوش اسلام

Issue.No.6 | اگست ۲۰۰۶ء (August,2006) رجب المرجب ۱۴۲۷ھ | VOL.No.1

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی ☆ مولانا محمد اختر قاسمی
☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ☆ مولانا محمد صالح جی ☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت
☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا ☆ مولانا محمد عمر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی — مولانا نظام الدین ندوی
مولانا محمد طاہر قاسمی — مولانا محمد ساجد عزیزی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

سب ایڈیٹر
محمد ارشد فیضی
9758636871

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ..........................۱۰؍روپئے
سالانہ.........................۱۰۰؍روپئے
خصوصی...... ....۳۰۰۰؍روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰؍ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
CHIEF EDITOR.MOHD MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found.
Border\BISMIL01\001. not found.
npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
دنیا کا ہر بہیمانہ عمل مسلمانوں کی طرف منسوب	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	
فکروعمل		۵
اسلام اور موجودہ بینک کاری	حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی	
افکار		۱۰
وصایا مفکر اسلام	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	
شعروادب		۱۲
اقبال کی چند جغرافیائی اصطلاحات......	محمد بدیع الزماں	
مکتوبات اکابر		۱۵
مکتوبات مولانا قاری سید صدیق احمدؒ	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	
آثار قدیمہ		۱۹
ٹمبکٹو کا انمول خزانہ، اسلامی مخطوطات	محمد زکریا ورک کینیڈا	
دعوت فکر		۲۳
نئی صدی میں تعلیم..................	مولانا اسرار الحق قاسمی	
پیغام عمل		۲۵
اہل افتاء کے لیے لمحۂ فکریہ	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر	
تحریکات		۲۷
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	جناب عادل صدیقی	
اتباع سنت		۲۹
کامیابی کی چار بنیادی باتیں	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
آئین ہند		۳۱
ہندوستان کا دستور	محمد ارشد فیضی	
گوشۂ خواتین		۳۴
اسلام میں پردہ کی اہمیت	محترمہ سارہ عزیزی ناظمہ فاطمۃ الزہراء للبنات	
ذرائع ابلاغ		۳۶
جدید ذرائع ابلاغ اور اشاعت دین	مولانا مشیر عالم قاسمی	
موازنہ		۳۸
دور جاہلیت اور اسلام میں عورت کا مقام	محترمہ عرفانہ خاتون	
اصلاحیات		۴۲
مسلمان والدین کے اسلامی فرائض	حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پور	
طرزعمل		۴۵
ماہ رجب اور ہمارے اعمال	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	مولانا نظام الدین ندوی	
مراسلات		
آپ کے خطوط..................		۴۷
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں..................		
	حافظ عبدالستار صاحب عزیزی	

E.mail : mifiislami@yahoo.com ------------ nuqooshe_islam@rediffmail.com

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا۔

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: حمید اللہ قاسمی رابطہ کے لیے 9719639955 ☆ عزیزی کمپیوٹر سنٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

دنیا کا ہر بہیمانہ عمل مسلمانوں کی طرف منسوب

محمد مسعود عزیزی ندوی

اس وقت دنیا میں کہیں بھی، کسی جگہ پر، کسی ملک میں کوئی واقعہ، کوئی حادثہ پیش آ جائے، چاہے وہ حادثہ اور واقعہ آسمانی بلا کی شکل میں ہو، یا روئے زمین پر کوئی آفت ومصیبت نازل ہو، کہیں زلزلہ آ جائے، سنامی لہروں کا طوفان آ جائے، ٹرین کا تصادم ہو جائے، کوئی طیارہ حادثہ کا شکار ہو جائے، کہیں بم بلاسٹ ہو جائے، کہیں فساد ہو جائے، کہیں قتل ہو جائے، کوئی چوری یا ڈاکے کا واقعہ پیش آ جائے، غرضیکہ کائنات میں روئے زمین پر کوئی بھی اس طرح کا واقعہ وقوع پذیر ہو، تو اہل دنیا کی نظر فوراً مسلمانوں پر جاتی ہے، کہ برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر، اگر مسلمانوں پر ظلم ہوا اور وہ دفاعی عمل شروع کریں تو دہشت گرد گردانے جاتے ہیں۔

حالانکہ کسی بھی اہل دانش واہل عقل واقف کار پر جسکی ادیان عالم اور مذاہب دنیا پر نظر ہے، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اسلام ایک عالمگیر امن وآشتی وسلامتی والا مذہب ہے، اسلام کا پیغام ہی یہ ہے کہ کائنات کے نظام عالم میں انسان سلامتی والی زندگی گذارے اور اسلام کی تعلیم اور تاکید اپنے متبعین کے لیے یہی ہے کہ مسلمان کے ہاتھ سے، اس کی زبان سے مسلمان اور دنیا کے لوگ محفوظ رہیں، اس کا ایمان اور اس کا اسلام اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے، اس کے آس پاس کے لوگ، اس کے محلے کے لوگ، اس کے قریے وگاؤں کے لوگ، اس کے قصبے وشہر کے لوگ اور اس کے ملک، بلکہ اس کی دنیا کے لوگ اس کے ظلم سے، اس کی ناانصافی سے، اس کی حق تلفی سے، اس کی ایذارسانی سے محفوظ نہ ہوں۔

قرآن کریم کی تعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک نفس کا قتل پوری نسل انسانی کا قتل ہے، جس نے ایک جان کو بغیر کسی قصاص کے، بغیر کسی عذر شرعی کے قتل کر دیا، اس نے پوری نسل کو قتل کر دیا اور جس نے ایک انسان پر رحم کیا، اس کو ظلم کے شکنجے سے نجات دلائی، اس کی جان بخشی کی، تو گویا اس نے تمام نسل انسانی کی جان بخشی کی، جس نے قرآن کی اس تعلیم کے خلاف کیا، اس نے اللہ کی ناراضگی کا سامان مہیا کیا، اللہ تعالی ایسے لوگوں سے زبردست انتقام لینے والا ہے، بھلا غور کرنے کا مقام ہے کہ جس مذہب کا نام ہی امن وسلامتی ہو اور جس نے اپنے پیروکاروں کو یہ ہدایت وتعلیم دی ہے اور اس کے برخلاف کرنے پر جو سخت وعیدیں سنائی ہیں، تو وہ اگر اسلام کا سچا پیروکار ہے، حقیقت میں مسلمان ہے، ڈبلی کیٹ مسلمان نہیں، تو وہ ایسے گھناؤنے جرم کیونکر کرے گا، جس سے نسل انسانی کی بقاء کو خطرہ لاحق ہو اور خود اس کی عاقبت خراب ہو اور وہ خالق کائنات کی ناراضگی کا مستحق ہو، پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی وغمگساری، اخوت ومحبت کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالی اس کو پسند کرے گا، جو آدمی زمین پر فساد پھیلاتا ہے، دوسرے انسانوں کو تکلیف پہونچاتا ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مگر اسلام دشمن طاقتوں نے ایک جھوٹی بات کو ہر طرح کے ذرائع ابلاغ سے اس طرح پھیلایا اور مسلمانوں کے خلاف ایسا مسمریزم کا عمل کیا کہ اب وہ جھوٹ سچ معلوم ہونے لگا، یا کم سے کم کسی بھی ناگہانی واقعہ پر فوراً اہل دنیا کی نظریں مسلمانوں کی طرف اٹھنے لگتی ہیں اور وہ یہ سمجھنے

لگتے ہیں کہ مسلمان ہی اس غیر فطری عمل کے مرتکب ہیں اور یہ نظریہ دنیا کے کافر و یہود و نصاریٰ ہی کا نہیں؛ بلکہ بعض مرتبہ-اللہ تعالی مجھے معاف کرے-مسلمانوں کے دانشور طبقہ یا دنیوی تعلیم یافتہ، یا گاؤں دیہات کے سادہ لوح مسلمانوں کا بھی ہے، جو ہر غیر فطری واقعہ کو کسی مسلمان کا عمل گردانے لگتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ اپنے علماء اور سفید پوش مسلمانوں کو بھی مجرمین کے کٹہرے میں کھڑا کر دیتے ہیں، راقم سطور کا خود کا مشاہدہ ہے کہ ۲۰۰۲ء کے شروع میں جب بی جے پی کی حکومت برسر اقتدار تھی، بعض علما کو پوٹا میں گرفتار کیا گیا، تو ایک مسلمان ڈاکٹر کو بڑے استہزائی انداز میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اچھا مولوی بھی بندوق رکھتے ہیں، ایسا کرتے ہیں......ایک جاہل آدمی لوگوں کے مجمع میں بیٹھا ہوا ایک سفید پوش قاری صاحب کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ لمبے کرتے اور ٹوپی والے بھی ایسا ویسا کرتے ہیں......

یہ مسمریزم (Mismerism) کا عمل کیسے ہوا ہے یا ہوتا ہے، اس مثال سے اس کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ جب چند آدمی کسی بات کو کہنے لگتے ہیں، تو لوگ اس کا یقین کر لیتے ہیں، ایک کہے، دو کہے، جب متعدد آدمی ایک بات کو کہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں تو اچھے اچھے آدمیوں کو یقین آ جاتا ہے، حالانکہ کہنے سننے سے حقیقت نہیں بدلتی، ایک بزرگ نے بکری کا بچہ خریدا، دو تین ٹھگوں نے دیکھ لیا اور کہا کہ یہ بچہ ٹھگنا چاہئے، ان میں سے ایک نے راستہ پر جس سے یہ بزرگ گذرنے والے تھے ایک مصلّی بچھا کر تسبیح پڑھنی شروع کر دی، ثقہ صورت، لانبا کرتا، نیچی داڑھی، جب وہ بزرگ پاس سے گذرے تو یہ حضرت لپک کر پہنچے، بڑے ادب سے سلام کیا، دست بوسی کی اور کہنے لگے کہ حضور اس کے لب پلید ہیں، اس کی روئیں بھی ناپاک ہیں، آپ نے ضرور چوکیداری کے لیے اس کو خریدا ہوگا، اس کے لیے تو بے شک جائز ہے، انہوں نے جھڑک دیا کہ آپ دیکھتے نہیں یہ بکری کا بچہ ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فوراً ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور کہا میری نگاہوں کا قصور ہے، بھلا آپ جیسے بزرگ کتا کہیں خریدیں گے؟ آگے بڑھے تو ایک اور صاحب اسی طرح مقدس صورت بنائے ہوئے ملے، آگے بڑھے اور قدموں میں گر گئے، کہنے لگے اچھے لوگوں کی زیارت بھی کفارۂ ذنوب ہے، حضور نے کھیت کی حفاظت کے لیے اس کو لیا ہوگا، انہوں نے پھر ڈانٹا اور کہا کہ آپ کو سجھائی نہیں دیتا کہ یہ بکری کا بچہ ہے یا کتا ہے؟ کہنے لگے حضرت نے صحیح فرمایا "میں جھوٹا، میری نگاہیں جھوٹی" آگے بڑھے تو تیسرے صاحب ملے اور کہا کہ حضرت یہ بڑی اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے، تازی کتا ہے، اس پر وہ بھی شبہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے ایک غلطی کر سکتا ہے دو غلطی کر سکتے ہیں، اتنے آدمی تو غلطی نہیں کر سکتے، مجھ ہی کو دھوکا ہوا ہوگا، انھوں نے بکری کے بچہ کو چھوڑ دیا اور چلے گئے، ٹھگوں نے اس کو ٹھگ لیا۔

ابھی ۱۱ر جولائی ۲۰۰۶ء کو ممبئی لوکل ٹرینوں میں مسلسل بم دھماکے ہوئے، کتنے معصوم لوگ جاں بحق ہو گئے، کتنے زخمی ہو گئے، انسانیت کا بے گناہ قتل ہوا، مشکوک ہوئے مسلمان، مسجدوں کے ٹرسٹی و متولیان اور ائمہ حضرات، کرتا پائجامہ والے مولوی ملاّ، انکی تحقیق ہوئی، ظالمین کا کچھ پتہ نہیں، جب کہ ۱۶ر اپریل ۲۰۰۶ء کو ناندیڑ بم دھماکے کے بعد بجرنگ دل نوجوانوں کے گھر سے نقلی داڑھی، ٹوپیاں، کرتا پائجامہ، مسجدوں کے نقشے پولس نے برآمد کئے تھے، غرضیکہ دنیا میں کہیں بھی کچھ ہو، ۱۱ر ستمبر کا واقعہ ہو، سابرمتی ایکسپریس کا حادثہ ہو، مشکوک ہوتے ہیں مسلمان، پکڑے جاتے ہیں عبداللہ، عبدالرحمٰن، اس وقت پوری عالمی برادری اپنے نظریات وعقائد کے اختلاف کے باجود مسلمانوں کے خلاف متحد و برسر پیکار ہیں، مسلمانوں کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے ایک اللہ کو مانا، رسول کو مانا، قرآن کو مانا اور مذہب اسلام کو مانا، جو مذہب دنیا کو توحید، سچائی، ہمدردی و غمگساری، اخوت و محبت، شرم و حیاء کی تعلیم دیتا ہے اور شرک کی آلائشوں سے دنیا کو پاک کرنا چاہتا ہے، بس اللہ ہی اپنے معاملہ پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فکروعمل

اسلام اور موجودہ بینک کاری واقتصادی تنظیمات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بینک کاری ، بیمہ پالیسی اور دیگر مالی تنظیمات کے رائج الوقت طریقوں کو اس وقت دنیا کی اقتصادی زندگی میں جو اہمیت اور وسعت حاصل ہوچکی ہے ، اس کی وجہ سے اکثر اصحاب حاجت کو اپنے مالی معاملات میں اس طرح کے نظام سے علاحدہ رہنا تقریباً ممکن نہیں رہاہے، جہاں تک بینکوں کا تعلق ہے تو دولت تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی حفاظت کا قابل اعتبار ذریعہ اب یہی نظام سمجھا جاتا ہے، پھر بینکوں نے قرضے دینے کا جو نظام اختیار کیا ہے اس نے کاروباری اداروں اور حاجت منداشخاص کو اس نظام سے سہولتیں فراہم ہونے کی وجہ سے اس کا ایک طرح سے ضرورت مند بنا رکھا ہے اور بہت سے لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگا ہے، کہ وہ اگر اس طرح کے نظام سے علاحدگی رکھیں گے تو شاید ترقی نہ کرسکیں گے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان کا سودی نظام کسی بھی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند ہے ان سے فائدہ اٹھانے میں بڑی رکاوٹ ہے، چنانچہ اقتصادی معاملات سے وابستہ اور اس کی ضرورت رکھنے والے افراد کے دلوں میں ان سے پورا فائدہ اٹھانے کی ضرورت کے احساس اور ان کے محرکات کی وجہ سے رکاوٹ بننے نے اولاً یہ تقاضا پیدا کیا کہ علماء دین اس سلسلے میں کوئی جواز کی گنجائش نکال لائیں، تاکہ کام آسان ہوجائے اور علماء دین نے ان کے تقاضے کے پیش نظر اپنی متعدد فقہی مجالس مذاکرہ میں مسئلہ کے پہلو پر غور وخوض بھی کیا، لیکن سود کی صریح حرمت جو قرآن مجید اور حدیث شریف میں آئی ہے ان کے لیے کسی طرح کی گنجائش نکالنے میں رکاوٹ بنی، وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہ کرسکے کہ دارالحرب کی صورت حال ہوتو اس کی محدود گنجائش بتادیں، یا جو سود خود بخود حاصل ہو اس کے چھوڑنے پر اگر اس کے دین کے خلاف استعمال ہونے کا خطرہ ہو تو وہ اس کو لے کر بغیر نیت ثواب کے محتاجوں کو دے دیں، ان دو حیلوں سے مسلمانوں کا کچھ کام نکلتا ہو یا نہ نکلتا ہو، مسلمانوں کے لیے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ بینک کاری ، بیمہ اسکیمیں اور دیگر مالی تنظیمیں یورپ نے ایک خاص جذبہ اور مقصد سے اپنائی ہیں، ان کو زندگی کی مالی ضروریات کا قطعی حل سمجھ لینا ایک بڑی محل غور بات ہے، بینکوں اور مغرب کے لائے ہوئے اقتصادی اداروں کا نظام سودی تانے بانے میں الجھا ہوا ہے، وہ حاجت مند کی حاجت مندی سے خود غرضانہ فائدہ اٹھانے کا ایک طریقہ ہے، جو خالصۃً اللہ اور اس کے رسول کی مرضی سے ٹکرانے والے اصولوں پر قائم ہے اور سچے انسانی ہمدردی کے جذبے سے خالی ہے، وہ خالص منفعت کی دفعات کی روح وجذبہ پر قائم ہے، سودی طریقۂ کار کے ذریعہ مالی تعاون کے بدلے کے طور پر حصول منفعت مقصود ہوتا ہے اور وہ خالص مادی اور بے خدا اور بے آخرت اصول وفلسفہ پہ قائم ہوتا ہے۔

عصر جدید کا بے خدا سیکولر نظام اور اسلام :

عصر جدید کے سیکولرزم، جمہوریت اور قومی آزادی، نیز مغرب کے دئے ہوئے دیگر مختلف النوع افکار اور رجحانات کے سائے میں ان کے اثر سے جو سیاسی اور اقتصادی نظریات اور نظام بنے ہیں وہ سب کے سب بے خدا اور بے آخرت فلسفہ میں ڈوبے ہوئے ہیں ، جو مذہبی تصورات اور اسلامی فکر وفلسفہ سے بالکل متعارض ہیں، لہٰذا وہ مذہبی نقطۂ نظر سے ایک مخفی کشمکش کی حالت میں ہیں، اسلام جس کو مغربی تہذیب

نے ایک فرسودہ تصورات کا مذہب سمجھ لیا ہے اور وہ اس کو بھی توڑنے پر آمادہ بلکہ کوشاں ہیں، ایک جامع اور مکمل طریقۂ حیات ہونے کی وجہ سے مغربی تصورات اور فکر سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا، اگر چہ اسلام کے بعض ترجمان حضرات مغربی تمدن وتہذیب کے پیدا کردہ مسائل کا حل جدید ذہنوں کو مطمئن کرنے کے لیے اسی فلسفہ کے زیر اثر رہتے ہوئے بتانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ سودمند نہیں ہوسکتا، کیونکہ مغرب کا موجودہ فلسفۂ حیات انقلاب فرانس سے او روہاں کے مخصوص حالات زندگی سے پیدا ہوا اور اس وقت اسی فلسفے نے تقریباً ساری دنیا کو لپیٹ میں لے رکھا ہے، جمہوری ضابطے ہوں یا سیاسی طریقۂ کار، اقتصادی نظریے ہوں یا مالی ادارے آج سب اسی فلسفے سے متأثر ہیں۔

مغرب کی مذھب بیزاری اوردنیاوی منفعت :

مغربی فلسفۂ زندگی مذہب بیزاری کے ساتھ ساتھ آزادیٔ فرد پر بالکل آزادانہ یقین رکھنے والا اور دنیاوی منفعت کی طلب کو اپنا اصل مقصد بنانے والا فلسفۂ زندگی ہے، اس کی مذہب بیزاری سے اس کا سیکولرزم وجود میں آیا اور اس کے تورہ آزادی سے اس کی بے راہ روی اوراخلاقی بے باکی پیدا ہوئی او راس کی منفعت رسی سے اس کی خود غرضی، استحصال، ملک گیری اور اس کی بینک کاری اوراس کے مالی اداروں کا نظام وجود میں آیا ہے، چنانچہ مغرب کے مالی معاملات میں مذہب بیزاری اور دنیاوی منفعت طلبی نے سود وجوا کو پوری زندگی کا جزء بنادیا ہے، اسی لیے اقتصادیات کو کسی بھی لین دین سے گزرنا پڑے وہ سود کے تانے بانے سے بچ نہیں سکتی، اس کے ساتھ ساتھ بے محنت حصول زر کے لیے اس کے یہاں کسی کھلی یا ڈھکی شکل سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس تہذیب میں جو انسانی زندگی کا صرف شوق ہی نہیں؛ بلکہ ضرورت سمجھ لی گئی ہے، خواہ اس سود وجوئے سے سوسائٹی کے بہت سے افراد کا کتنا ہی استحصال ہوتا ہو اور قوم کی اقتصادی بنیاد کو کتنا ہی نقصان پہنچتا ہو، اس شوق نے بینک کاری کو مقصد براری کا ایک مؤثر ذریعہ بنادیا ہے اوراس کو سہولت مل جانے سے سود کا چلن ناگزیر بن کر سامنے آگیا ہے اور بینک کاری مالی حصول کی سہولت وحفاظت کے لیے کم مال کو بڑھانے اور محض مادی سود وزیاں کے حصول کے مقصد سے قائم ہونے لگے اوران کا چلن بڑھنے سے مسلمان بھی اس سے وابستگی پر مجبور ہوگئے اور جب بینک کے متعدد طریقوں کے مخالف اسلام؛ بلکہ باعث گناہ ہونے کا اندازہ ہوا تو اس میں کچھ لوگوں نے اس کے محرمات کو اس سے نکال کر جائز طریقوں کو بطور بدل داخل کرنے کی کوشش کی، وہ اس طریقہ سے یہ تو کرسکے کہ اس کے کھلے ہوئے محرمات سے اپنے کو بچالیں، مگر اس کو گونا گوں مخفی محرمات سے اپنے کو اور اپنے معاشرے کو بچا نہیں سکے، انھوں نے اس مقصد سے ایسے بینک قائم کرنے کے طریقے بھی سوچے جو سود سے بچ کر چلیں، لیکن وہ اس فلسفہ سود سے پوری طرح بچ کر نہیں نکل پاتے۔

مغربی بینک کاری حصول سود کا ذریعه :

مغرب کا دیا ہوا بینک کاری کا نظام دراصل سود کے حصول وفروغ کا ایسا ذریعہ ہے، جیسے شراب کے وہ برتن جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت نافذ کرکے ممنوع قرار دے دیا تھا، اور گویا اس حکمت کا اظہار فرمایا تھا کہ وہ برتن شراب کی یاد اور طلب کے لیے معاون ہوسکتے ہیں، اسی طرح بینک کاری کا نظام اصلاً سود کی راہ کو سہل دکھاتا ہے اور غیر سودی راہ کو مشکلات کا حامل ثابت کرتا ہے اوراس کی دلیل اس سے ملتی ہے، کہ آج عالم اسلام میں جو بھی غیر سودی بینک قائم کیے گئے ہیں وہ کسی نہ کسی مرحلہ یا پہلو میں سودی معاملات میں مبتلا ہونے سے محفوظ نہیں، ان کو دنیا کے کسی بڑے بینک سے ناطہ جوڑنا پڑتا ہے اوراس میں ان کے نظام کی تابعداری کرنی پڑتی ہے، مغرب نے جو سود کو اپنی زندگی میں اس طرح دخیل کرلیا ہے کہ صرف اس کی بینک کاری نظام ہی نہیں، اس کے تمام کے تمام مالیاتی ادارے بھی اس کے لین دین سے اپنے کو مبرا نہیں کرپاتے، اس طرح آج ہم میں سے کسی بھی آدمی کی جو آمدنی ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی سودی مرحلے سے گزر کر نکلی ہوتی ہے اوراس

پرسود کے دھبے موجود ہوتے ہیں، یہ بات کم ازکم مسلمانوں کے لیے بڑی فکر کی ہے اور مرض کو اس کی بنیاد تلاش کر کے ہی دور کرنے کی ہے۔

ہر سود خوار تمدن کا تصور یہ ہے کہ تجارت سے حاصل ہونے والا نفع اور سود سے حاصل ہونے والا فائدہ ایک ہی طرح کی بات ہے، یہی وہ تصور ہے کہ جس کے بموجب موجودہ تمدن نے تجارت اور سودی لین دین کو ایک دوسرے سے وابستہ بلکہ مخلوط کر رکھا ہے، اس نظام کے فلسفہ کے بموجب تجارت اور سودی لین دین میں کوئی فرق نہیں" وَقَالُوٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" لیکن اسلام نے اس کے جواب میں اس کی دلیل کو توڑنے کے ساتھ اس کے فلسفے سے بالکل مختلف دوسرا فلسفہ بتایا وہ یہ ہے کہ تجارت اللہ رب العالمین نے جائز قرار دیا ہے اور سود کو ناجائز فرمایا "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" شراب اور جوئے کے بارے میں بھی قرآن مجید نے یہی طرز اپنایا ہے، اس نے اس کی حرمت کے سلسلے میں کہا کہ " اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا "اس طریقہ سے اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ان دونوں کی مضرتیں سمجھنے کے ساتھ اپنے پروردگار کی مرضی وعدم مرضی کو بنیاد بنانا اولین فریضہ ہے۔

سود کی حرمت ومضرت قرآن میں :

اگرچہ وہ تمام امور جن کی حرمت خدا تعالی کی طرف سے بتائی گئی ہے وہ اپنے اندر انسانی برادری کے لیے انفرادی واجتماعی مضرتیں بھی رکھتے ہیں اور ان کی طرف قرآن مجید نے جگہ جگہ اشارے بھی کیے ہیں، لیکن اس طرح کے اشارے عموماً باقاعدہ اعلان سے قبل یا بطور عقوبت کیے گئے ہیں اور وہ کچھ ذہن کو مطمئن کرنے کے لیے اور حرمت کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ شراب کی بھی حرمت سے قبل اس طرح کے اشاروں کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے، سود کی مذمت اور اس کی ناپسندیدگی کا قرآن میں چار جگہ تذکرہ ہے، شروع میں سورہ روم کی یہ آیت نازل ہوئی:"وَمَا آتیتم من ربًا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عندالله وماآتیتم من زکوۃ تریدون وجه الله فاولئك هم المضعفون"(سورہ روم آیت ۳۹)

اس آیت کے ذریعہ مادی نفع اندوزی کی اللہ تعالی کے یہاں ناپسندیدگی اور اس سے ترقی نہ ہونے کی بات کہی گئی ہے اور اس کے برعکس اللہ تعالی کی مرضی کے حصول کے لیے زکوۃ ادا کرنے کا فائدہ بتایا گیا ہے اور اس طرح ایک طرف مادی نفع اندوزی کی قباحت ظاہر کی گئی ہے اور خیر وخیرات کے لیے اللہ تعالی کی رضا کے حصول کی طرف رغبت دلائی گئی ہے، پھر سورہ نساء کی آیت ہے جس میں یہود کے لیے سود کی ممانعت ہونے کے باوجود ان کے سود لینے کی عادت سیۂ کا ذکر ہے :فبظلم من الذين هادوا حرمنا عليهم طيبات احلت لهم ويصدهم عن سبيل الله كثيراً، واخذهم الربا وقدنهو ا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل واعتدنا للكافرين منهم عذابا اليماً (سورہ نساء)

اس آیت سے سود کی اچھی خاصی شناعت اور برائی دماغوں میں بٹھائی گئی، پھر سورہ آل عمران کی آیت آئی:"يايها الذين آمنوا لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون " (آل عمران)

اس میں سود کی باقاعدہ حرمت کا حکم آیا پھر اس کی شناعت کو مزید اسی آیت سے پختہ کیا گیا جو سورہ بقرہ کا جزء ہے:" الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس، ذلك بانهم قالوا انما البیع مثل الرباواحل الله البیع وحرم الربا"

اور فرمایا:"یاایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربا ان کنتم مومنین، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولاتظلمون، وان کان ذوعسرة فنظرة الی میسرة وان تصدقوا خیرلکم ان کنتم تعلمون، واتقوایوما ترجعون فیه الی الله ثم توفی کل نفس ماکسبت وهم لا یظلمون (سورہ بقرہ)

سود کی حرمت دیگر مذاہب میں :

انسانی برادری کی تاریخ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کی لعنت دراصل جاہلیت میں مبتلا بیزار اور نفس پرست تہذیبوں اور سوسائٹیوں کا چلن رہی ہے اس کے برعکس تمام آسمانی مذاہب نے سود کو

ممنوع قرار دیا ہے، مسیحیت سے قبل کے یورپ میں بھی جب کہ یونانی اور رومی تمدنوں کا دور تھا، سود عام طریقہ سے لیا اور دیا جاتا تھا، اس کے صرف دو ایک موقعوں پر اس کی وسعت اور سخت ظالمانہ انداز کو کنٹرول کرنے کے لیے کچھ قاعدے بتائے گئے، لیکن یہ اس کو ممنوع قرار دینے کے لیے نہ تھے، بلکہ اس کی تکلیف وہ شکلوں کو کسی قدر کم کرنے کے لیے تھی اور مسیحیت کے یورپ آنے پر اس کی تعلیمات کے اثر سے سود کے رواج پر روک لگ گئی تھی اور اس طرح ایک مدت تک وہاں سود کی حرمت قانوناً نافذ کی گئی اور اس کا نفاذ عرصہ تک جاری رہا، اس طرح یہودی مذہب میں بھی سود کی حرمت کے احکامات تھے، جن کو ان کے علماء بتاتے اور تاکید کرتے تھے؛ کیونکہ توریت میں اس کی ممانعت آئی ہے، فرمایا کہ ''اگر تم میری امت کے کسی فرد کو کچھ مال قرض دو تو اس پر قرض دینے والے کی طرح مسلط نہ ہو جاؤ، اس سے اپنے مال میں منفعت مت طلب کرو'' اسی طرح بائبل میں بھی آیا ہے کہ ''اگر تم نے ایسے لوگوں کو قرض دیا جس سے تم بدل چاہتے ہو تو تمہارا کیا تفوق ہوا، قرضہ دینے میں اس کے فائدے کے متوقع نہ بنو، جب ہی تم کو اچھا ثواب ملے گا''۔

سود کی اس حرمت کو عرصہ تک عیسائی مذہب کے علماء اور پھر پادریوں نے قائم رکھا اور زور دیتے رہے، ان سے یہ قول منقول ہے کہ جو یہ کہے کہ سود کا عمل معصیت نہیں ہے وہ ملحد اور مذہب سے خارج قرار پائے گا اور ایک پادری نے کہا کہ سودی معاملہ کرنے والے اس دنیا میں اپنی عزت سے محروم ہوں گے اور وہ موت کے وقت کفن پانے کے بھی مستحق نہیں، سود کی مذمت کا احساس ان کے ادیبوں اور شاعروں تک میں تھا، چنانچہ شکسپیر کے ڈراموں میں یہودی سود خور کے قرض وصول کرنے کا ایک دردناک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

سودی رواج وارتقاء یورپی تمدن میں :

مسیحی یورپ کا یہی مسلک ان کے قوانین کا جزء رہا اور اس میں ڈھیل اس وقت شروع ہوئی جب تمدن جدید کے آغاز کے اثرات پڑنے لگے اور اس کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں، یہ سولہویں سے اٹھارویں صدی کے دور کی بات ہے، اس وقت سود کے معاملات میں عملاً خلاف ورزی بعض بادشاہوں کے اپنے قرض چکانے کے لیے سودی قرض لینے سے ہوئی، پھر ایک قانون نے سود کی گنجائش پیدا کی جس میں تنگ حال لوگوں کے لیے کچھ گنجائش نکالی گئی اور حج کی اجازت کے شرط کے ساتھ سود کی اجازت پیدا کی گئی، لیکن فرانسیسی انقلاب نے تو سود کی ممانعت کا بالکل خاتمہ کر دیا اور اس کی جنرل کونسل نے تو قانون بھی بنا دیا کہ ان دائروں کا لحاظ کرتے ہوئے جن کو قانون مقرر کرتا ہے سود کا لین دین سب کے لیے جائز ہے، پھر یورپ نے اپنی مذہب بیزاری اور مال کی ہوس میں اس لعنت کو اپنی اقتصادی زندگی کے رگ و پے میں سمولیا اور جہاں جہاں اس نے اپنی تہذیب پہنچائی وہاں وہاں اس لعنت کو عام کر دیا، ورنہ سود کو ممنوع مانے جانے کے دور میں سود کو برا سمجھتے ہوئے صرف بعض دولت مند افراد بعض حاجت مند افراد سے تنگ حالی میں لیتے اور مال کی ہوس رکھنے والے اس کو برا فعل محسوس کرتے ہوئے اس سے انتفاع کرتے تھے، اس کا رواج اجتماعی نہ تھا، اجتماعی اداروں کے ذریعہ اور حکومتی سطح پر رواج جیسا اب ہو رہا ہے، نہ تھا اب تو اس کو زندگی کے ہر شعبے میں پرو دیا گیا ہے اور سارا مالی لین دین اس سے متاثر ہے۔

سود اور یہود زمانۂ جاھلیت سے :

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں یہ مرض پایا جاتا تھا، ایک تو ان کے کاروباری ضرورت میں ان کو راہ دکھائی، یہودیوں کو دیکھ کر جو آسمانی مذہب رکھتے ہوئے اور مذہب میں سود کی ممانعت ہوتے ہوئے کھل کر سود سے فائدہ اٹھا رہا ہے، پھر مال سے انتفاع کے جذبے کی وجہ سے عربوں کی دلچسپی سود لینے سے بڑھی یہودی کم درجہ کے انسان ہیں، ان کا انسان جیسا لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں، وہ عربوں کے بارے میں کہتے تھے کہ:" لیس علینا فی الامیین سبیل "

یہ ان کی ایک ترکیب تھی جس کی ذریعہ مذہبی ممانعت کو اجازت میں تبدیل کرتے ورنہ دراصل ان کی سخت مالی ہوس ان کو سود کو گناہ سمجھنے پر بھی سودی کاروبار میں مبتلا کرتی تھی اور یورپ میں اس کا رواج بڑھانے

میں ان کا سب سے بڑا حصہ ہے اور اب سود یورپ کے اقتصادی ڈھانچہ کے رگ و پے میں داخل ہو گیا ہے۔

سود معاشرہ کی تباہی کا باعث :

غیر جانبدارانہ جائزہ لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سودی لین دین نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی کوئی صحت مندانہ عمل نہیں ہے، وقتی اور فوری طور پر سودی قرض لینے والے کو اپنی پریشانیوں کا حل محسوس ہوتا ہے، دینے والے کو اپنی آمدنی کا ایک آسان ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سودی کاروبار کا معاشرہ اپنے اقتصادی حالات کے اعتبار سے اندر اندر کھوکھلا ہوتا چلا جاتا ہے، مال کا ایک طرف سے دوسری طرف کسی عوض کے بغیر منتقل ہونا اصلاً انسان کی حاصل کردہ دولت کے گھٹنے کا ذریعہ ہے، جو فرد کا بھی نقصان ہے اور جماعت کا بھی، چنانچہ اس وقت دنیا کے بے شمار ملک اقتصادی لحاظ سے کھوکھلے اس وجہ سے ہوتے جارہے ہیں کہ انھوں نے سودی قرضے کے انبار لگا لیے ہیں اور ان میں سے بعض سود کی ادائیگی سے بھی قاصر ہونے لگے ہیں، چنانچہ وقتی ترقیات کے باوجود اقتصادی خوش حالی ان کے لیے سراب سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے، سودی قرضہ دینے والی قومیں قرضے دینے کی وجہ سے کامیاب محسوس کی جارہی ہیں، لیکن کسی عوض کے بغیر دولت آنے سے وہ اپنی کارکردگی کی دولت سے ملک وقوم کی اقتصادیات کو کوئی نفع نہیں پہنچارہی ہیں، امریکہ جیسے عظیم دولت مند ملک کے ماہرین اقتصادیات وہاں کی روز افزوں اقتصادی گراوٹ سے پریشانی ظاہر کرنے لگے ہیں، یہ سپر طاقت ملک سودی بوجھ کے تلے دبا ہوا ہے اور سود لینے والے ملک سودی بار سے بدحواس ہیں، خود ہندوستان اپنے بجٹ کا ۱۵٪ حصہ سود ادا کرتا ہے، جس سے پریشان ہے۔

سودی مضرات کا دائرہ :

سودی خرابیوں کو محسوس کرنا اب صرف اہل مذہب کی بات نہیں رہی، اب تو مذاہب اور آخرت کے منکروں کے بھی سمجھنے کی بات ہو گئی ہے، کیونکہ اس کی مضرتیں اب کچھ مخفی نہیں ہیں، جس طرح چوری کرنے والا چوری کی عادت نہیں چھوڑ پاتا اسی طرح سودی آمدنی سے نفع اٹھانے کے لیے بھی اس عادت کو چھوڑنا آسان نہیں اور یہ دراصل سب خدا کی رضا و ناراضی کی پروانہ کرنے والی ذہنیت کی کارفرمائی ہے، اس ذہنیت سے زندگی کا فلسفہ الگ بنتا ہے اور خدا سے ڈرنے اور اس کی جزاء وسزا پر یقین رکھنے والی ذہنیت کا فلسفہ الگ بنتا ہے اور ہر ایک کا نظام اس کے فلسفہ پر ہی قائم ہوتا ہے۔

یورپی بینک کاری اور اسلامی مالی اداروں میں فرق :

بہر حال یورپ کا وضع کردہ بینک کاری نظام، اس کے انشورنش کا نظام، اس کی مالی منصوبہ سازیوں کا نظام، حرام وحلال کی پرواہ نہ کرنے پر قائم ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کا نظام لے کر اس میں چند ترمیمات کرنے سے اس کے سب مفاسد سے نہیں بچ سکتے، ہم کو دراصل اپنے لیے علاحدہ نظام وضع کرنا ہوگا، جس میں خدا اور رسول کی ہدایات سے حاصل کردہ فلسفہ کارفرما ہو، اسی میں ہماری تمام مشکلات کا صحیح حل ہے دراصل یہ فلسفہ اس آیت سے ماخوذ ہوگا کہ: ”وما آتيتم من ربا ليربوا في اموال الناس فلا يربوا عندالله وماآتيتم من زكوة تريدون الله فأولئك هم المضعفون “ (سورہ روم ۳۹)

اس کی روشنی میں ہمارے مالی اداروں کے قیام وانصرام میں جذبہ مخلصانہ و ہمدردی وتعاون کی نیت ہونی چاہئے کہ اللہ تعالی کی رضا کو غرض بنا کر ہم کو خیر کے جذبہ سے لوگوں کی مدد کرنا ہے، نہ کہ اس جذبہ ونیت سے کہ تعاون و ہمدردی میں ہمارا کیا مادی نفع ہے اور ہم کو کیا ملے گا۔

خلاصہ کلام :

اس لیے رفاہی فنڈ یا مالی تعاون کے ادارے یا تجارتی طریقۂ کار کے رکھنے والے توفیر مال کے ادارے قائم کرنے سے ایک خاصی حد تک وہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں، جن سے بینک کاری سے مطلوب فوائد کے مساوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں اور ان اداروں کے قیام سے اسلامی تصور کے مطابق ہمدردی وامداد کا مقصد بھی پورا ہو سکتا ہے، بیمہ اسکیموں کے بجائے مسلمان حکومت کے...... ﴿بقیہ صفحہ ۱۱ پر﴾

افکار

پانچویں قسط

وصایا مفکر اسلام

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی استاذ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور

نامی گرامی خاندانوں سے انتساب رکھنے والوں کو وصیتیں:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وصیتیں ان حضرات کے لیے ہیں، جن کے خاندان ونسب کی ایک شہرت رہی ہے اورانہیں دینی ملی وعلمی کارناموں کی وجہ سے ایک مرتبہ حاصل رہا ہے، اور وہ اپنا خاندانی انتساب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کے مجاہدین وفاتحین کی طرف کرتے ہیں اور شرفاء خاندانوں سے تعبیر کئے جاتے رہے ہیں، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دیپال پور (مدھیہ پردیش، ہندوستان) میں ایک ایسے مجمع میں جن میں ان حضرات کی کثرت ہے جو اپنے کو سادات وشیوخ کے خاندانوں سے بتاتے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جھنجھوڑ والی نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا:

بھائیو! نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذراسی غلطی اوران کی ذراسی ناقدری اور غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے، جتنی ناقدری کہ اللہ کی شریعت کی ناقدری، اس پر نہ چلنا جس پر ان کے بزرگوں نے، اسلاف نے سر کٹادئے ہیں، اس پر وہ انگلی بھی نہ ہلائیں اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں، اپنے بچے کے لیے ذراسا خطرہ بھی نہ مول لیں، کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا، یہ نیک دیندار بنے گا، تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی، اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی جو دوسروں کی ہے، جنہوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا، تو دین کی اس ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

میں ملک ملک پھرا ہوں اور ہندوستان کا تو چپہ چپہ تقریباً دیکھا ہے، میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی، خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں جہاں ہمارے بزرگ تھے اور جہاں ان کے مزارات ہیں اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں، آج وہاں جائیے تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاکت برستی ہے اور فلاکت کیا برستی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے، ایسی شرفاء کی بستیاں، ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے، محض اللہ کی شریعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لیے باعث ترقی نہ سمجھنا، باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لیے باعث کامیابی سمجھ لینا، یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے، لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں اور اپنے کو اشراف کہیں ان کے لیے تو بالکل ناقابل برداشت ہے، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، ہمارے اور آپ کے لیے ترقی کا راستہ دین اور علم دین کا راستہ ہے، اس میں جو بات ہمیں تھوڑی محنت سے حاصل ہوگی، وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی، گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندانی لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہے کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے، جنھوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، دوسو برس سے اسلام قبول کیا ہے، وہ خوب پھل پھول رہے ہیں، ماشاء اللہ برے متحد ومتفق ہوکر رہ رہے ہیں، حفظ قرآن کا ان میں رواج ہے، علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے، ان کے خاندانوں میں برکت ہے، ان میں شریعت کا احترام، نماز کی پابندی ہے اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے شرفاء کے یہاں نہیں ہے، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے

عالم، وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کی قدر کی، شریعت کی قدر کی اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے- ہم چومن دیگرے نیست - وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی، اللہ تعالی نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی:

تو پہلی بات یہ ہے کہ ناچاقی اور نااتفاقی سے بچیئے، اللہ کے لیے دل کو صاف کر لینا، کدورت کو نکال دینا، بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنھوں نے کھلی ناانصافی کی ہے، ان چیزوں میں اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی، بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقے پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کو حق دینا اور جس کا حق ہے اس کو پہنچانا، ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، لیکن فلاکت برستی ہے۔

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب (سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے، یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے۔

اور ایک بات یہ ہے کہ اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہئے تبلیغ کے عنوان سے دین کو باقی رکھنے کے لیے ساری دنیا میں ایک کوشش جو ہو رہی ہے اس میں بھی آپ حصہ لیں۔

آخری بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے، سن لیجئے، ایک وہ موقع تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی اور جان توڑ کوشش کی تھی کہ وہ دنیا کے راستہ سے، بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کر لیں، تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے، مجھے اسی زمانہ میں وہاں جانے کا موقع ملا اور میں نے جدہ میں مکہ مکرمہ میں خطاب کیا اور کہا دیکھو بھائی! ترک کامیاب ہو جائیں، ایرانی کامیاب ہو جائیں، تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اللہ میاں تمہیں کان پکڑ کے اور باندھ کر کے لائیں گے اور دین ہی کے دروازے پر تم کو ڈالیں گے، اگر کچھ ملے گا، تو یہیں کی بھیک ملے گی، یہیں کی خیرات ملے گی، تم سوسر کے ہو جاؤ، تم کامیاب نہیں ہو سکتے، ہم نے ان سے کہا کہ تمہارے لیے اللہ تعالی کے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہوں اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں کہ جن کے آباء واجداد میں اللہ تعالی نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے، تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی، پچاس باتوں کی یہ ایک بات ہے۔ (ملاحظہ ہو تحفۂ دین و دانش، از حضرت مولانا علی میاں ندوی ۲۴ تا ۳۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۹ / کا﴾ تعاون سے ایسی مالی تنظیمیں تشکیل دی جا سکتی ہیں جو بیمہ اسکیموں سے مطلوب فوائد کا اسلامی اور تعمیری بدل حسن بھی بن سکتی ہیں، مسلمان حکومت نہ ہو تو یہ کام مسلمانوں کی تعاونی تنظیم قائم کر کے لیا جا سکتا ہے۔

اس رخ پر اگر ہمارے علماء کرام اقتصادیات کے مسلمان ماہرین کے مشورہ سے یا اقتصادیات کے ماہر مسلمان علماء کرام کے تعاون و مشورہ سے غور کریں تو نہایت صالح اور ستھرے نتائج برآمد ہونے کی بڑی توقع ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

قلمکار حضرات متوجہ ہوں

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور ادبی ذوق کا خاص خیال رکھیں۔

☆ مضامین بغیر حوالہ کے معتبر نہیں ہوں گے۔ (ادارہ)

شعروادب

اقبال کی چند جغرافیائی اصطلاحات
اسلامی تاریخ کے پس منظر میں

محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف پٹنہ

میرے مطالعہ کے مطابق اقبال کے کلام میں ۶۵ ؍ جغرافیائی اصطلاحات ہیں، اقبال نے ان اصطلاحوں کے ذریعہ اسلام کی عظمت دیرینہ کی یاد دلا کر مسلمانوں کے عروق مردہ میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کی، اس مضمون میں ایسی ہی چند اصطلاحیں موضوع گفتگو ہیں۔

بدخشاں :

بدخشاں ایک ملک کا عہد وسطے میں نام تھا، جو ہندوستان اور خراسان کے درمیان واقع تھا، یہ لعل اور سونے کے لیے مشہور ہے، اقبال نے اس اصطلاح کو کئی معنوں میں استعمال کیا ہے، اس اصطلاح سے ان کے کلام میں کل تین اشعار ہیں، جن میں سے تیسرے شعر میں یہ اصطلاح ''بخارا'' کی اصطلاح کے ساتھ آئی ہے۔

پہلا شعر ''بانگ درا'' کی نظم ''خضر راہ'' (جو ۱۹۲۱ء میں لکھی گئی) کی ذیلی نظم ''زندگی'' کے دوسرے بند کا درج ذیل ہے، جس میں ''بدخشاں'' سے مراد ملت اسلامیہ ہے۔

زندگی کی قوت پنہاں کو کردے آشکار تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے
خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالی آفتاب تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے

متذکرہ بالا پہلے شعر میں ''قوت پنہاں'' اور ''چنگاری'' سے مراد خودی ہے ''خاک مشرق'' سے مراد ایشیا اور ''بدخشاں'' سے مراد ملت اسلامیہ ہے۔

''بدخشاں سے دوسرا شعر ''بال جبریل'' کی نظم ''مسجد قرطبہ'' کے آخری بند کا درج ذیل پہلا شعر ہے۔

وادیٔ کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں ڈوبتے ہوئے آفتاب کے کرنوں کو ''لعل بدخشاں'' سے مماثلت کا استعارہ بالکنایہ لاکر اقبال نے شعر کو آسمان پر پہنچا دیا ہے، اقبال نے پہلے آفتاب کو ایک تاجر قرار دیا اور پھر اس کے لیے ''لعل بدخشاں کے ڈھیر'' ثابت کیا۔

''بدخشاں کی اصطلاح سے تیسرا شعر ''بخارا'' کی اصطلاح کے ساتھ ''ضرب کلیم'' کی نظم ''مرد مسلماں'' کا یہ ہے ؎

ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشاں

اس شعر میں ''بخارا'' اور ''بدخشاں'' سے مراد خاص ملک یا شہر نہیں بلکہ آفاقیت ہے اور نہ اس سے مراد وطن پرستی یا پابند مقامی بن کر رہنا ہے، چونکہ انسان کو حضرت جبریل امین کی محبت اور نسبت خویشی رہی ہے، اس لیے صرف یہی نہیں کہ اس کا نظریہ آفاقی ہوگا؛ بلکہ اس میں فرشتوں کی سی بھی پاکیزگی پائی جائے گی۔

اقبال نے اس شعر میں حضرت جبریل کے نام میں ''امین'' کی اضافت سورۃ التکویر کی درج ذیل آیت ۲۱ سے اخذ کی ہے، فرمایا گیا ہے۔

''مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ'' (یعنی عرش والے کے ہاں اس کا حکم مانا جاتا

ہے، وہ بااعتماد ہے)

کنعان:

کنعان عہد قدیم میں فلسطین میں وادیٔ جبرون (موجودہ ہبرون) کے علاقہ میں واقع تھا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب کا مسکن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاقؑ بھی پہلے اسی وادی میں رہا کرتے تھے، یہ وادیٔ جبرون اس وقت ملک اسرائیل میں واقع ہے اور اسی جبرون کو عالمی نقشہ پر اب ہبرون کہتے ہیں۔

''کنعان'' کی اصطلاح اردو اور فارسی شاعری میں حضرت یعقوبؑ کے فرزند حضرت یوسفؑ کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کے پس منظر میں حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ دونوں کے لیے لائی جاتی ہے، جن کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کا تفصیلی ذکر سورۂ یوسف میں وارد ہے، جب مصر کی سلطنت کا اقتدار حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں میں آیا تو وادیٔ جبرون کا علاقہ بھی سلطنت مصر کا حصہ تھا۔

''کنعان'' کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں کل درج ذیل دو اشعار ہیں، پہلا شعر یہ ہے ؎

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

(بانگ درا، خطاب بہ نوجوانان اسلام)

متذکرہ بالا شعر اس نظم ''خطاب بہ نوجوانان اسلام'' کا آخری شعر ہے جس میں اقبال نے ملا محمد طاہر غنی کاشمیری کے شعر کی تضمین کی ہے اس لیے واوین میں ہے، غنی کاشمیری کلیم اور صائبؔ کے دوست اور ہمعصر تھے، چالیس سال کی عمر میں ۱۶۶۱ء میں وفات پائی۔

اس شعر میں ''پیر کنعاں'' سے مراد حضرت یعقوبؑ ہیں پہلے مصرعہ میں شاعر حضرت یعقوبؑ کی بدقسمتی کا ذکر کر رہا ہے، کہ خود تو بیٹے (یعنی حضرت یوسف) کے فراق میں رورو کر اندھے ہوگئے (دیکھیں سورۂ یوسف آیات ۸۴تا۸۶) دوسرے مصرعہ میں شاعر کہتا ہے کہ لیکن ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھوں کی روشنی نے زلیخا کی آنکھوں کو روشن کردیا ''نور دیدہ'' کا مطلب ہے کہ حقدار یا مستحق تو محروم رہا مگر اغیار اور غیر مستحق فیض یاب ہوگئے۔(دیکھیں سورۂ یوسف، رکوع ۳تا۷)

''کنعان'' کی اصطلاح سے دوسرا شعر یہ ہے ؎

پاک ہے گرد وطن سے سرداماں تیرا　　تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہونہ سکے گا کبھی ویراں تیرا　　غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

نخل شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو

(بانگ درا-''جواب شکوہ، اٹھائیسواں بند)

اس بند میں اقبال مسلمانوں سے مخاطب ہیں، اس بند میں ''کنعاں'' کی اصطلاح سے ساری دنیا مراد ہے، اقبال یہ نکتہ ذہن نشیں کراتے ہیں کہ مسلمان قوم کسی خاص وطن یا نسل سے وابستہ نہیں اور نہ کسی خاص ملک میں محدود ہے کہ اگر وہ ملک تباہ ہو جائے تو قوم تباہ ہو جائے گی، یہ ساری دنیا مسلمان کا وطن ہے، اس لیے اسلام بھی مٹ نہیں سکتا۔

آخری شعر میں اقبال مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ تو دنیا کے لیے شمع کی مانند ہے، شمع کے شعلوں میں تیری ہی حرارت کارفرما ہے (ریشۂ چراغ سے وہ فتیلہ یا بتی مراد ہے، جو شمع کے اندر ہوتی ہے) تو اس شمع کی بتی ہے، اگر تو نہ ہو تو شمع جل نہیں سکتی، یعنی اگر مسلمان قوم دنیا سے مٹ جائے تو یہ دنیا مٹ جائے گی، تیرا اندیشہ عاقبت سوز یعنی نتائج سے بے پرواہے، اس لیے تو دنیا میں ضرور کامیاب ہوگا۔

کاشغر:

''کاشغر'' کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں ایک ہی درج ذیل شعر ''بانگ درا'' کی نظم ''خضر راہ'' کی ذیلی نظم ''دنیائے اسلام میں ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

یہاں ''نیل کے ساحل'' اور ''کاشغر'' سے کوئی خاص مقام مراد نہیں، بلکہ ملت اسلامیہ کی تگ ودو کو ذہن نشیں کرانے کے لیے ان کا ذکر لایا گیا ہے۔

بنی امیہ کے دور خلافت (۶۶۱-۷۵۰ء) میں جب ۷۰۵ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مرنے کے بعد ولید بن عبدالملک مسند خلافت پر سریرآرا ہوئے تو ان کے دور خلافت (۷۰۵-۷۱۵ء) میں عظیم الشان فتوحات ہوئیں اور خلیفہ کے بھائی مسلم بن عبدالملک نے رومی حکومت کی بنیاد کو ہلا ڈالا، انہی فتوحات میں روسی ترکستان کا علاقہ بھی شامل ہے جو ایران اور چین کے درمیان واقع ہے۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے تخت پر بیٹھتے ہی حجاج بن یوسف کو تمام مشرقی علاقوں کا وائسرائے مقرر کر کے ترکستان کے ان علاقوں کو فتح کرنے کی جانب توجہ دلائی، حجاج بن یوسف نے فوراً خلیفہ کے بھیتجے بن مسلمہ کو ان علاقوں کو فتح کرنے کا حکم دیا، اس نے ۷۱۲ء میں روسی ترکستان کے بہت بڑے علاقہ کو فتح کیا جس میں بخارا بھی شامل ہے، اس کے بعد اگلے سال وہ ایک بہت بڑے اسلامی لشکر کو لے کر کاشغر کو فتح کرتا ہوا چین کے سنکیانگ کے علاقہ میں داخل ہوا، جہاں خاقان چین نے بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لی اور جزیہ کی ایک بہت بڑی رقم دے کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی اور اس کے جانشین زمانہ دراز تک مسلمانوں کے مطیع رہے اور باقاعدہ خراج عطا کرتے رہے، ''خاقان'' چین کے بادشاہوں کا لقب تھا، آج بھی چینی ترکستان کے ان علاقوں، خصوصاً سنکیانگ صوبہ میں آباد مسلمان چینی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک لمبے عرصہ سے جنگ کر رہے ہیں، مگر چینی حکومت اپنی عسکری طاقت سے انہیں مغلوب رکھتی ہے۔

خاقان چین کے مغلوب ہوتے ہی مسلم مبلغین نے چین جا کر بہت وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کی مہم شروع کر دی تھی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چین کے لاکھوں باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس وقت چین میں مسلمانوں کی آبادی کڑوروں میں ہے۔

اقبال نے ''خاقان'' کو بطور اصطلاح اپنے کلام میں صرف ایک بار ''ارمغان حجاز'' کی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے درج ذیل شعر میں استعمال کیا ہے، جس میں انہوں نے ابلیس کی صدارتی تقریر میں ابلیس کی زبان پر یہ اشعار رکھا ہے۔

الحذر آئین پیغمبرؐ سے سوبار الحذر   حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے   نے کوئی فغفور وخاقاں، نے فقیر رہ نشین

''فغفور'' فارسی لفظ ہے، یہ ایک بادشاہ چین کا نام تھا، فغفور اصل میں فغپور تھا ''فغ'' بمعنی بت اور ''پور'' بمعنی پسر، چونکہ اس کے ماں باپ نے اس کو بت کی نذر کر دیا تھا اس لیے اس کا یہ نام ہوا، مگر چین کے بادشاہ کا لقب خاقان ہی تھا، ''فغفور'' کو بطور اصطلاح متذکرہ بالا شعر کے علاوہ اقبال نے صرف درج ذیل ایک ہی شعر میں ''بانگ درا'' کی نظم ''جواب شکوہ'' کے اکیسویں بند میں استعمال کیا ہے ؎

تخت فغفور بھی ان کا تھا، سریر کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں، کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی

''فغفور'' سے اقبال کی ایک اور اصطلاح ''فغفوری'' بھی ہے جس سے ان کے کلام میں صرف دو اشعار ہیں پہلا شعر ''بانگ درا'' کی نظم گورستان شاہی کے پانچویں بند میں ہے اور دوسرا ''بال جبریل'' کی غزل ۳۸ میں ہے۔

اوپر شخصیتوں سے منسوب ایک اصطلاح ''کے'' آئی ہے، اقبال نے یہ اصطلاح قدیم فارسی کے بادشاہ کیخرو کو مخفف کر کے وضع کی ہے، جس سے تین اشعار ہیں، دوسرا شعر ''ضرب کلیم'' کی نظم ''سرود'' میں ہے اور تیسرا شعر اسی مجموعہ کی نظم ''شاعر'' میں۔

☆☆☆☆

کانپتا ہے دل تیرا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچۂ چاک گریباں میں کبھی
قیس تو، لیلا بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ

ایک نیاز مند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا نام نامی پہلی مرتبہ کی طالب علمی کے زمانہ میں سنا تھا، رائے پور مدرسہ فیض ہدایت رحیمی میں آ کر جب اکابر سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا، تو حضرت قاری صاحب کے نام بھی جوابی خطوط تحریر کئے، بعض خطوط میں کوئی علمی بات معلوم کی، اکثر خطوط اپنی تعلیم کے بارے میں اور دعاؤں کی درخواست کے لیے تحریر کیے، حضرت قاری صاحب کی طرف سے تقریباً سبھی خطوط کے جوابات آئے، خطوط بہت مختصر ہیں، چونکہ خطوط پر کوئی تاریخ نہیں ہے اس لیے خطوط کی ترتیب میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کہ پہلے رائے پور، پھر رائے بریلی اور پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آنے والوں خطوط کو نقل کیا جائے، سب سے پہلے حضرت قاری صاحب کو رائے پور سے ایک خط لکھا جب احقر اپنی پہلی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' لکھ چکا تھا، طباعت سے پہلے اس میں کمی زیادتی کرتا رہتا تھا، اس کے لیے تجوید وقراءت کے بعض ضروری مسائل دریافت کئے جس کے جواب میں حضرت کا یہ مختصر جواب آیا۔

۱- برادرم.................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا، موقع ہوتو یہاں تشریف لا کر سمجھ لیجئے، ورنہ دیوبند جا کر جناب قاری ابوالحسن صاحب سے سمجھ لیجئے، آپ کو اس میں زیادہ سہولت ہوگی۔

صدیق احمد غفرلہ

اس کے بعد ایک خط لکھا جس میں اپنی تعلیم کے متعلق تحریر کیا اور حضرت کے دعاؤں کی درخواست کی، اور حضرت کی خیریت وعافیت معلوم کی جس پر حضرت کا یہ جواب آیا۔

۲- مکرمی......زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں، اللہ پاک جملہ مقاصد حسنہ میں کامیاب فرمائے، مجھے دانتوں میں بہت تکلیف ہے، بہت پریشان ہو کر مجبوراً تین چار یوم میں ممبئی بغرض علاج جانا ہے۔

صدیق احمد غفرلہ

رائے پور کے زمانہ قیام میں احقر نے اپنی کتاب مختصر تجوید القرآن حضرت قاری صاحب کی خدمت میں بھیجی، تاکہ حضرت اس کو دیکھیں اور تصدیق تحریر فرمائیں، چنانچہ حضرت نے اپنی رائے عالی اور مختصر تصدیق ثبت فرمائی جو مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

تجوید کا یہ رسالہ ''مختصر تجوید القرآن'' دیکھا اس میں تجوید کی ضروری قاعدے آسان زبان میں تحریر کئے گئے ہیں۔

اساتذہ کو چاہئے کہ طالب علم کو یہ قواعد زبانی یاد کرائیں اور دوران تعلیم ان کا اجرا کرائیں۔

اللہ پاک مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالہ کو نافع بنائے

احقر صدیق احمد عفی عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ — خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

رائے پور میں کافیہ کے سال یعنی عربی سوم میں ششماہی امتحان کی چھٹی میں حضرت سے ملاقات کے لیے باندہ حاضری کے بارے میں لکھا اور دعاؤں کی درخواست کی جس پر حضرت کا یہ شفقت نامہ آیا۔

۳- برادرم......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں، کچھ وقت لے کر آئیے، مجھے ان تاریخوں میں روز آنہ اسباق کے بعد سفر میں جانا ہوگا، آتا جاتا رہوں گا۔

صدیق احمد غفرلہ

حضرت کے جواب کے بعد لکھنؤ، ہردوئی اور باندہ کا سفر ہوا، باندہ ظہر بعد پہنچنا ہوا، حضرت قاری صاحب سفر میں چلے گئے تھے، احقر انتظار میں رہا، رات میں کسی وقت آئے ہوں گے، فجر کے بعد ملاقات ہوئی، حضرت نے خصوصی توجہ فرمائی، اپنے سامنے ناشتہ کرایا، صبح سے گیارہ بجے تک حضرت کے درس میں بھی شریک رہا، حضرت نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں مختلف درجوں کے طلبہ کو پڑھائیں، احقر برابر شریک رہا، اس کے بعد ملاقات سے فارغ ہوکر دعاؤں کی درخواست کر کے لکھنؤ واپس چلا آیا، پھر لکھنؤ میں حضرت مولانا علی میاں صاحب اور ہردوئی میں حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے ملاقات کر کے مرادآباد مدرسہ شاہی ہوتا ہوا واپس وطن آیا، اس کے بعد پھر ایک خط حضرت قاری صاب کی خدمت میں لکھا کہ رمضان بعد شوال میں حاضری کا ارادہ ہے اور دعاؤں کی درخواست کی، اس پر حضرت قاری صاحب کا یہ مختصر جواب شرف صدور ہوا۔

۴- مکرمی...........زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان میں پھر خط لکھ دیجئے، دعا کر رہا ہوں، اللہ پاک مقصد میں کامیاب فرمائے۔

صدیق احمد غفرلہ

اس کے بعد جب مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں مجھے اپنی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' کے شروع میں قراءت حفص کے سلسلۂ سند میں پانی پتی سلسلہ میں حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ سے اوپر کی سند لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا مجھے علم نہیں تھا، تو حضرت قاری صاحب کو خط تحریر کیا جس میں دعا کی درخواست کی اور یہ سند معلوم کی جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا:

۵- مکرمی...........زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات کا علم ہوا، حضرت استاذی قاری فتح محمد صاحبؒ نے سبعہ قراءت حضرت قاری محی الاسلام صاحب پانی پتی سے پڑھی، انھوں نے قاری عبدالرحمٰن اعمیٰ ماپڑی والوں سے اور انہوں نے حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن انصاری محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی سے اور سبعہ قراءت قاری امام الدین امروہوی سے، اس کے بعد سند چھپی ہوئی ہے۔

صدیق احمد

مدرسہ ضیاء العلوم سے عیدالاضحیٰ کے بعد پھر حضرت قاری صاحب کو خط لکھا اور اپنے حالات لکھے، دعاؤں کی درخواست کی، نیز باندہ حاضری کے متعلق بھی تحریر کیا اور اجازت چاہی، جس پر حضرت کا یہ والا نامہ آیا۔

۶- مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا کر رہا ہوں اللہ پاک فضل فرمائے، حالات سے مطلع فرماتے رہئے، اتنا طویل سفر ابھی نہ کیجئے۔ والسلام

صدیق احمد

پھر حضرت قاری صاحب کو خط لکھا اور باندہ حاضری کی اجازت چاہی، حضرت نے ۹ رنومبر ۱۹۹۴ء کو حاضری کے لیے لکھا۔

۷- مکرمی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۹ رنومبر کو تشریف لائیے۔ والسلام

صدیق احمد غفرلہ

اس خط کے آنے کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم سے جمعرات کی چھٹی میں باندہ حاضر ہوا اور حضرت قاری صاحب سے ملاقات کی اور آپ کی صحبت سے مستفیض ہوا، حضرت نے خصوصی شفقت فرمائی، بہت دعائیں دیں، اگلے روز جمعہ کو باندہ سے واپسی ہوئی، اس کے بعد پھر حضرت قاری صاحب کو اپنے حالات لکھے اور دعاؤں کی درخواست کی اور نصیحت طلب کی، جس کے جواب میں حضرت کا یہ والا نامہ آیا۔

۸- برادر مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا کر رہا ہوں، نماز باجماعت اور تلاوت کا اہتمام کیجئے۔

روزانہ کم از کم سو بار درود شریف، اور سو بار استغفار پڑھ لیا کیجئے۔

اللہ پاک مقصد میں کامیاب فرمائے

صدیق احمد غفرلہ

جب رمضان میں رائے پور اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کو قرآن شریف سنا رہا تھا، اور حضرت حافظ صاحب کے حالات اور کارناموں پر ایک کتاب ''حیات عبدالرشید'' زیر تصنیف تھی، تو بعض معاصر بزرگوں کو خطوط لکھے، اور ان کے حالات معلوم کرنے چاہے تاکہ اس کتاب کے باب معاصرین میں حضرت حافظ صاحب کے معاصر بزرگوں کے کچھ حالات آجائیں، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت قاری صاحب کو بھی خط لکھا، اس کے بعد حضرت کے صاحبزادے مولانا سید حبیب احمد صاحب کو خط لکھا، کہ وہ حضرت کے متعلق معلومات فراہم کردیں، مگر وہ بھی پڑھ کر کہیں بھول گئے، لیکن جوابی خط ان کے پاس محفوظ تھا جس پر ان کا یہ جواب آیا:

۹- مکرمی جناب محمد مسعود صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون!

خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہوں

کافی دنوں کا آپ کا یہ خط ہے، مضمون ذہن میں نہیں ہے، اگر کوئی خاص بات ہو تو آپ دوبارہ تحریر فرمائیں، والد صاحب کو بھی میں نے بتایا کہ مضمون معلوم نہیں، آپ ان کے جملہ معاملات کے لیے دعا کردیجے۔ دعا بھی کرائی ہے،

دعاؤں کا محتاج

۲۰/۷/۱۹۹۵ء احقر حبیب احمد

ندوۃ العلماء لکھنؤ آنے کے بعد حضرت قاری صاحب کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں حضرت کو دعاء کی درخواست کی، نیز حضرت سے ملاقات کے لیے اور باندہ کے سفر کے لیے اجازت چاہی اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ حضرت سے کب ملاقات متوقع ہے، جس کا جواب حضرت والا کی جانب سے یہ آیا:

۱۰- مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

آپ کا خط ملا، بندہ کا ۱۷/۸/ اکتوبر کو ھتورا قیام رہے گا، اس وقت ملاقات کرلیں۔ فقط والسلام

(مولانا قاری) صدیق (صاحب مدظلہ)

۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء بقلم محمد عبدالرشید غفرلہ

پھر ندوہ سے حضرت قاری صاحب کو ایک خط لکھا اور اپنے لیے دعاء کی درخواست کی، اسی زمانہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری مقیم خانقاہ رائے پور، حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ملاقات کی غرض سے لکھنؤ آنے والے تھے، میں نے اس خط میں حضرت مفتی صاحب کی آمد کی بھی اطلاع حضرت قاری صاحب کو دیدی تھی، جس پر حضرت قاری صاحب کا مندرجہ ذیل جواب آیا، جس میں مفتی صاحب کو سلام اور رائے پور حاضری کے قصد کا اظہار فرمایا، نیز مفتی صاحب کو افتاء کی مشق کرانے کے لیے طلبہ کو رکھنے کے لیے تحریر فرمایا، خط ملاحظہ ہو:

۱۱- مکرمی............ زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا کر رہا ہوں، اللہ پاک تمام مقاصد میں کامیاب فرمائے، جناب مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات ہو تو سلام عرض کردیجئے

میں اتنی دور ہوں کہ آپ حضرات کی زیارت نہیں ہو پاتی، انشاء اللہ وقت نکال کر بالقصد وہاں کا سفر کروں گا۔

مفتی صاحب سے عرض کیجئے کہ ہر سال کچھ طلبہ افتاء کی مشق کے لیے رکھ لیا کریں، اللہ پاک نے ان کو اس میں مہارت عطا فرمائی ہے۔

طلبہ انشاء اللہ ملیں گے۔ والسلام

صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

اس کے بعد پھر حضرت کی خدمت میں خط لکھا، اور باندہ حاضری کے لیے لکھا جس پر حضرت کے ایک معتمد کا یہ مختصر جواب آیا:

۱۲- مکرمی......زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا، حضرت والا مدظلہم کے اس ماہ مسلسل اسفار ہیں، ۱۵ر یوم کے بعد دوبارہ خط ارسال فرمائیں۔ والسلام

بحکم حضرت جی

پھر حضرت کی وفات سے چند ماہ قبل ایک عریضہ حضرت کی خدمت میں تحریر کیا، اور دعاؤں کی درخواست کی، حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری حج پر تشریف گئے تھے، اسی درمیان رائے پور میں انکی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، جس کی خبر میں نے اس خط میں حضرت قاری صاحب کو دی تھی جس پر حضرت قاری صاحب کا یہ جواب آیا، جس پر ڈاکخانہ کی تاریخ کی مہر ۲۰/۵/۱۹۹۷ء ہے۔

۱۳- مکرمی......زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں، مفتی عبدالقیوم صاحب وہاں تشریف لے آئے ہوں، آپ سے ملاقات ہو، تو سلام عرض کیجئے، والدہ کی لیے دعائے مغفرت کر رہا ہوں، مفتی صاحب اور تمام متعلقین کو اللہ تعالی صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام

صدیق احمد غفرلہ

اس کے بعد حضرت قاری صاحب کی خدمت میں کوئی خط لکھا ہو یاد نہیں، البتہ ملاقات ہوئی، ایک تو جب احقر جون ۱۹۹۶ء کی چھٹی میں لکھنؤ سے وطن آیا ہوا تھا اور ۱۰ر جون ۱۹۹۶ء کو حضرت قاری صاحب کا پروگرام سہارنپور جامعۃ الطیبہ میں تھا، رات کو جلسہ میں حضرت کا بیان سنا، اس کے بعد مولانا محمد طلحہ صاحب کے مکان پر ملاقات ہوئی، پھر آئندہ سال وفات سے بیس دن قبل جب حضرت سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں علاج کے لیے داخل تھے، تو وفات سے ایک ہفتہ قبل احقر ملاقات کے لیے سحر نرسنگ ہوم میں حاضر ہوا، حضرت سے ملاقات ہوئی، رائے پور کی نسبت کی وجہ سے کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا اور دعائیں دیتے رہے، جب طبیعت میں افاقہ ہو تو وطن ہتھورا چلے گئے، اور حسب معمول درس وتدریس، دعوت وارشاد اور اصلاح وتربیت کا کام شروع کر دیا، عادت کے مطابق ۲۲ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بروز بدھ کو اپنے سے متعلق تمام اسباق پڑھائے، آخیر میں بخاری شریف کے درس کے لیے وضو کرنا چاہتے تھے، مگر تقدیر الٰہی کے بموجب نہ کر سکے کہ بخار میں شدت اور سردی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا گیا، آپ کو پھر لکھنؤ سحر نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا، جہاں پر برین ہیمریج (دماغی رگ پھٹ جانے کی وجہ) سے ۲۳ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ر اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات کو ساڑھے دس بجے دن میں آپ راہی ملک بقاء ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم لوگ ندوہ میں درس گاہ میں تھے، یہ خبر معلوم ہوئی تو یقین نہ آیا کہ ابھی ایک ہفتہ پہلے تو حضرت سے ملاقات ہوئی تھی، جن بزرگوں کے انتقال پر مجھے انتہائی صدمہ ہوا، ان میں قاری صاحب بھی ہیں، حضرت قاری صاحب عارف باللہ اور ربانی عالم تھے، ہمارے بعض بزرگوں نے تو ان کو صحابہ کا چلتا پھرتا نمونہ بتلایا ہے، ان کی وفات پر بار بار اللہ تعالی کی بے نیازی کا خیال آتا رہا، پھر حضرت کا جنازہ ہتھورا لے جایا گیا، ہم لوگ بھی دوستوں کے ساتھ لکھنؤ سے باندہ گئے، رات میں جنازہ میں شرکت کی اور صبح واپس آئے، اللہ تعالی اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆

آثار قدیمہ

ٹمبکٹو کا انمول خزانہ۔اسلامی مخطوطات

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

ٹمبکٹو کا افسانوی شہر مالی (افریقہ) کے ملک میں ہزاروں سال پرانا شہر ہے،اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہاں پر پرائیویٹ اور پبلک لائبریریوں میں موجود عربی وعبرانی رسم الخط میں لکھے ہوئے سات لاکھ اسلامی مخطوطات ہیں،جو ہزاروں سال پرانے ہیں،یہ اسلامی مخطوطات اس شہر کا انمول خزانہ ہیں،جس کی دیکھ بھال کے لیے کام شروع ہو چکا ہے،یہاں پر صدیوں پرانے قرآن پاک اور صحیح بخاری کے قلمی نسخے ہیں،ان مخطوطات کی زبردست اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی خاطر ڈے جے ٹائز (Digitize) کیا جارہا ہے۔

مغربی افریقہ میں اسلام کی بے مثال وسعت کے دوران ٹمبکٹو نے مرکزی کردار ادا کیا،یہاں پر قرآن کی تعلیم اور تدریس کے لیے عظیم الشان مدرسہ قائم تھا،یہاں کے اساتذہ مکہ اور مصر سے تعلیم حاصل کر کے آتے تھے، کہتے ہیں کہ چودھویں صدی میں مالی کا متمول بادشاہ موسیٰ (1307-1332ء) جب حج کے عزم سے سفر کرتے ہوئے قاہرہ میں سے گزرا تو اس کے ساتھ 60,000 ہزار غلام 12,000 خادم اور سپاہی،متعدد بیویاں اور 80 اونٹ تھے،ہر اونٹ پر ایک سو پاؤنڈ سونا لدا ہوا تھا،قاہرہ میں اس نے اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام الناس میں اتنے طلائی تحائف تقسیم کئے کہ بازار میں سونا وافر کمیت میں آجانے سے اس کی قیمت گر گئی،بادشاہ کی آمد اور اس کی سخاوت سے مالی کا نام زبان زد عام ہو گیا۔

ٹمبکٹو شہر صحارا کے صحرا کے جنوب میں نائیجر دریا سے 13 رکلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے،شہر کی بنیاد ۱۱۰۰ء میں رکھی گئی تھی،تیرھویں صدی میں یہ مالی کی سلطنت کا حصہ بن گیا،ابن بطوطہ جب 1353ء میں یہاں آیا تو یہ مالی کی حکومت کے زیر انتظام تھا۔

کسی زمانے میں یورپ میں انسان کو اگر یہ کہنا ہوتا کہ فلاں شہر کے بعد دنیا ختم ہو جاتی ہے،تو فوراً ٹمبکٹو کا شہر ذہن میں ابھر آتا تھا،حقیقت یہ ہے کہ یہ شہر کسی زمانے میں تجارت اور علم و دانش کا عظیم الشان مرکز ہوا کرتا تھا،مسلمان تاجر ویسٹ افریقہ سے سونا شمال کے ممالک اور مشرق وسطی کے ممالک کی طرف لے کر جاتے اور واپسی پر نمک اور دوسری اشیاء تجارت کی غرض سے اپنے ہمراہ لے کر لوٹتے تھے،تجارت کی وجہ سے ٹمبکٹو کی امارت میں بہت وسعت پیدا ہوئی اور ہر طرف مال و دولت کی ریل پیل نظر آتی تھی۔

مالی کے خالص سونے کا چرچا دنیا کے تمام ممالک میں تھا،عہد وسطی کے دور میں دنیا کا دو تہائی سونا مغربی افریقہ کی کانوں سے نکالا جاتا تھا، مالی کی شہرت ہاتھی کے دانتوں،شتر مرغ کے پروں،کولا کے درختوں، کھالوں اور غلاموں کی وجہ سے بھی تھی،اس زمانے میں ایک پاؤنڈ نمک کی قیمت ایک پاؤنڈ سونے کے برابر ہوتی تھی،ٹمبکٹو میں دولت کی ریل پیل کی داستانیں مسلمان تاجروں اور یورپین سیاحوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلی تھیں،اس کے ساتھ ساتھ ٹمبکٹو اپنے وقت کا بہت بڑا اسلامی مرکز بھی تھا جہاں یورپین سیاحوں کا کھلے عام چلے آنا ممنوع تھا،اس زمانے میں ٹمبکٹو کو 333 صوفیوں کا شہر کہا جاتا تھا۔

سولہویں اور سترھویں صدی میں تجارت بحر الکاہل کے ممالک کی طرف منتقل ہو گئی،نیز 1591ء میں مراکش نے مالی پر قبضہ کر لیا اور سونگھے ایمپائر کے خاتمے سے یہ شہر زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا،دو سال بعد

مراکش کی حکومت نے یہاں کے علماء کوشک کی بناء پر اپنی حراست میں لے کر چند ایک کو مراکش ملک بدر کر دیا، کچھ اس کشمکش کے دوران لقمہ اجل بن گئے، اس زمانے میں شہر کی آبادی ایک لاکھ کے قریب تھی، بہت سے یورپین افراد نے ٹمبکٹو آنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے، 1824ء میں جیوگرافیکل سوسائٹی آف پیرس نے دس ہزار فرانک کا انعام مقرر کیا، جو شخص ٹمبکٹو سے واپس آ کر وہاں کے عینی حالات بتلائے گا، فرانس نے 1893ء میں ٹمبکٹو کو فتح کر کے یہاں کی صدیوں پرانی عمارتوں کو بحال کیا جو مفلسی کی حالت میں غربت کی علامت بن چکی تھیں۔ 1960ء میں یہ شہر ری پبلک آف مالی کے زیر انتظام آ گیا، اس وقت بیس ہزار کی آبادی کا شہر ٹمبکٹو مالی کا انتظامی دارالخلافہ ہے، یہ ایک بیاباں اور مفلس شہر ہے، جو اپنی دوری، غربت، درجہ حرارت اور ریت کے ٹیلوں کی وجہ سے مشہور ہے، ٹمبکٹو کی ائرپورٹ اگرچہ چند سال قبل تعمیر ہوئی تھی، مگر جہازوں کے آنے جانے کا شیڈول اس قدر دگرگوں ہے کہ مسافر بے چارے بعض دفعہ کئی روز انتظار میں ہی گزار دیتے ہیں، اس کے باوجود دنیا بھر سے ٹورسٹ یہاں کھینچے چلے آتے ہیں، شہر کی تمام تر تجارت نائجر دریا کے ذریعہ ہوتی ہے جو شہر سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے، سب سے زیادہ تجارت ہمسایہ ملک ماریٹانیہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

انمول شہر:

شہر میں ملازمت کے مواقع بہت محدود ہونے کے باعث اکثر نوجوان ٹورگائیڈ بن جاتے ہیں، ان میں سے کئی ایک کے نام تاریخی یا افسانوی ناموں پر ہوتے ہیں جیسے۔

علی بابا، جارج واشنگٹن، شہر کی سین کور (Sankore) یونیورسٹی میں کسی زمانے میں پچاس ہزار طالب علم ہوتے تھے اور انہی کے ذریعہ اسلام مغربی افریقہ میں پھیلا تھا، اس وقت اس یونیورسٹی میں پندرہ ہزار طالب علم ہیں، شہر کی بہت ہی دیدہ زیب مسجد جن گے ریبر (Jingereber) جو گارے اور مٹی سے 1325ء میں تعمیر ہوئی تھی ابھی تک محفوظ ہے۔

شہر میں تین قومیتوں کے لوگ آباد ہیں، یعنی سونگھرائی (Songhrai) طورآریگ (Tuareg)، مور (Moore) یعنی ماریتانیا سے آئے ہوئے عربی النسل لوگ ان کا آپس میں ملنا جلنا عام ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی اپنی قومی و نسلی روایات کو ابھی تک اپنائے ہوئے ہیں، شہر میں ایک انٹرنیٹ کیفے بھی موجود ہے، جہاں عورتیں چادریں اوڑھے کمپیوٹرز پر مصروف نظر آتی ہیں، چند سال قبل سونگھرائی اور طورآریگ اقوام کے لوگوں میں چپقلش پیدا ہوئی تھی، مگر جلد ہی امن وامان کی فضا بحال ہوگئی، شہر میں مسلمان فلاسفرز اور اسکالرز بڑی تعداد میں رہائش پذیر ہیں جو امن کے قیام میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔

شہر کا احمد بابا سینٹر بھی بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے، جہاں ہزاروں کی تعداد میں کتابوں کے قلمی نسخے موجود ہیں، ان مسودات میں ایک ہزار سال کے اسلامی اور سائنسی علوم مدفون ہیں۔ 1974ء میں یونیسکو اور بعض عرب ممالک کی امداد سے سینٹر کی تزئین اور تعمیر کے بعد اس کا افتتاح ہوا تھا، احمد بابا سینٹر میں 20,000 کے قریب عربی زبان میں دستی مخطوطات ہیں، جن میں بعض ایک دوسری صدی میں سپرد قلم کئے گئے تھے، یہ مخطوطات سائنس، اسٹرانومی اور میڈیسن کے موضوعات پر ہیں، یہاں کی ایک مشہور کہاوت یہ ہے کہ: ''سونا جنوب سے آتا ہے، نمک شمال سے آتا ہے، دولت سفید اقوام کے ممالک سے آتی ہے؛ لیکن دانش وری اور حکمت صرف ٹمبکٹو میں ہی پائے جاتے ہیں''۔

مسٹر شریف الفاسین جو علی بابا سینٹر میں پرانی دستاویزات کا ناظم ہے اس کا کہنا ہے کہ عہد وسطی میں ٹمبکٹو دنیا کا مرکز ہوتا تھا، پھر خدا نے اس کی تقدیر میں ایسا تغیر پیدا کیا کہ ٹمبکٹو دنیا کا واقعی آخری کنارہ بن گیا، لیکن مجھے قوی امید ہے کہ ایک روز خدا اس کی تقدیر بدلے گا اور ٹمبکٹو ایک بار پھر دنیا کا مرکز بن جائے گا، شہر کا ایک فلاسفر اسماعیل حیدارہ کہتا ہے کہ ایک زمانے میں ٹمبکٹو کے مکین مسلمان، نصرانی اور اہل یہود ہوا کرتے تھے، یہ شہر ہمیشہ رواداری کا مرکز رہا ہے، مذہبی اور عصبی رواداری کے موضوع پر شہر کی لائبریری میں تین ہزار کے قریب قدیم مسودات موجود ہیں، وہ کہتا ہے کہ بہ حیثیت ایک مالین کے میں بڑے فخر کے

ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری رگوں میں نصرانی، یہودی اور مسلمان خون دوڑ رہا ہے، مالی کے ملک میں ٹمبکٹو اگرچہ ایک مفلوک الحال شہر ہے؛ لیکن افریقہ بلکہ دنیا کا یہ ایک سب سے پرانا اور کتابوں کے خزانے سے بھرا متمول شہر ہے۔

شہر کی مساجد:

جنگاریبر مسجد (Jingareyber) اس مسجد کی تعمیر مالی کے سلطان کنکان موسیٰ نے 1325ء میں شروع کی تھی، جب وہ حج سے واپس لوٹ کر آیا تھا، جرمنی کا سیاح ہائن رک بارتھ (H.Barth) جو یہاں 1853ء میں آیا تھا اس کا کہنا ہے کہ مسجد کے بڑے گیٹ پر 1327ء کی تاریخ اور کنعان موسیٰ کا نام کندہ تھا، اس کا نقشہ اسلامی اسپین کے آرکی ٹیکٹ ابواسحٰق الساحلی نے تیار کیا تھا، سلطان کی اس سے ملاقات حج کے دوران مکہ میں ہوئی تھی، جو اس کو سونے کے چالیس ہزار مثقال کے عوض اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔

مسجد میں دو ہزار افراد نماز ادا کر سکتے تھے، مسجد کی تعمیر نو ٹمبکٹو کے قاضی امام العقیب نے 1583-1570ء کے دوران کروائی تھی، مسجد کا شمالی حصہ چونے کے پتھر سے بنائی گئی، جب کہ باقی مسجد مٹی کے گارے سے بنائی گئی، جس میں سوت، تنکے اور لکڑی کا بھوسہ شامل کیا گیا تھا، مسجد کے دو مینارے اور ستونوں کی پچیس قطاریں جو مشرق اور مغرب کی سمت میں ہیں، مسجد کی زبوں حالی کے پیش نظر 1990ء میں اس کو لسٹ آف ورلڈ ہیری ٹیج ان ڈینجر میں شامل کیا گیا اور دسمبر 1996ء کے بعد ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ سے ملنے والی رقم سے اس کو بحال کر دیا گیا۔

سن کور مسجد (Sankore) اس مسجد کی تعمیر ایک دولت مند مسلمان نے 1433ء میں شروع کی، پرانے ڈھانچے کو گرا کر اس کی تعمیر نو بھی امام العقیب نے 1582-1578ء میں کی تھی، حج کے دوران امام العقیب نے کعبہ کی عمارت کی پیائش کی اور واپس آ کر اسی سائز کی مسجد تعمیر کروائی، مسجد کی تعمیر میں بھی وہی مٹیریل استعمال کیا گیا جو جنگاریبر میں کیا گیا تھا، موسم سرما میں اندرون مسجد نماز ادا کرنے کے لیے صفوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جب کہ موسم گرما میں صحن میں نماز ادا کی جا سکتی ہے، مسجد کے عین مرکز میں ایک منفرد مینارہ ہے، جس کی بلندی پندرہ میٹر (48 فٹ) ہے، مسجد کا شمالی حصہ مدرسہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور یونیورسٹی آف سن کور کے نام سے مشہور تھا، تاریخ الافتاح کے مصنف کے مطابق پندرھویں صدی میں یہاں پندرہ ہزار طالب علم تعلیم پا رہے تھے، یہاں کے فاضل اساتذہ قانون، صرف ونحو، علم نجوم، تاریخ اور دینیات کی تعلیم سے طالب علموں کو بہرہ ور کرتے تھے۔

مسجد کو سب سے زیادہ خطرہ صحرا سے آنے والی ریت سے رہا؛ حتی کہ 1952ء میں ریت کے پانچ فٹ اونچے ڈھیر مسجد کے سامنے لگ گئے تھے، چنانچہ مسجد کی چھت اٹھا کر دیواریں اونچی کی گئیں، مسجد کے سامنے کے حصہ پر چونے کا پتھر لگا دیا گیا، مگر مسجد کے مغربی حصہ کا ایک گیٹ ریت میں دفن ہو چکا تھا، جس سے مسجد کے سٹرکچر کو نقصان پہنچا، اس کی بحالی کے لیے مسجد کی انتظامیہ نے ٹمبکٹو کلچرل مشن اور مالی کی منسٹری آف کلچر کے مالی تعاون سے بحالی کا کام شروع کیا، 1996ء میں یونیسکو کے ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ نے بھی امداد مہیا کی۔

سدی یحیٰ مسجد (Sidi yahia) شہر کی مشہور ترین تین مساجد میں سے ہے، اس مسجد کی دیکھ بھال سب سے زیادہ کی گئی ہے، روایت کے مطابق اس مسجد کی تعمیر شیخ المختار حماء اللہ نے 1400ء کے لگ بھگ کروائی تھی، اس امید پر کہ ایک ولی اللہ کی آمد متوقع تھی، یہ ولی اللہ چالیس سال بعد سدی یحیٰ کی صورت میں نمودار ہوا، جس کا تقرر امام کے طور پر ہوا تھا، 1577ء کے لگ بھگ امام العقیب نے مسجد کے شکستہ حصوں کو بحال کروایا، مینار کے اندر روزن بنائے گئے اور صحن کو کشادہ کر دیا گیا، مسجد کے اندر ستونوں کی قطاریں شمال اور جنوب کے رخ پر تھیں کہ نمازیں موسم سرما میں عمارت کے اندر ادا کی جا سکیں 1990ء میں مسجد کو "لسٹ آف ورلڈ ہیریٹیج ان ڈینجر" میں شامل کر دیا گیا جس کے بعد مسجد کی حفاظت اور بحالی کے لیے یونیسکو کے "ورلڈ ہیری ٹیج فنڈ" میں سے رقم موصول ہو رہی ہے۔

عرب سیاح کی آمد

حسن بن الوزان الغرناطی (1554-1485) کی پیدائش غرناطہ (اسلامی اسپین) میں ہوئی تھی، اس کے خاندان کو جب ملک بدر کیا گیا تو وہ مراکش میں قیام پذیر ہو گئے، وہ اپنے چچا کے ہمراہ نارتھ افریقہ اور گھانا کے ملک میں ڈپلومیٹک مشنز پر گیا تھا، حالت شباب میں اس کو نصرانی بحری قزاقوں نے اغوا کر کے عالم و فاضل پوپ لیودہم (Leo x) کے حضور پیش کیا، پوپ نے اس کو اطالین زبان میں ''سروے آف افریقہ'' کے موضوع پر مفصل کتاب لکھنے کو کہا، اس نے گھانا کے شہر ٹمبکٹو کو وزٹ کیا جو تجارت اور کتابوں کا عالمی مرکز تھا، حسن نے ٹمبکٹو میں جو کچھ دیکھا اس کا اندازہ اس کتاب ''دی ڈسکرپشن آف افریقہ'' میں کچھ یوں ہے، ٹمبکٹو کے گھر جھونپڑوں جیسے ہیں، جن کی چھت گھاس پھونس سے بنائی ہوئی ہے، شہر کے مرکز میں ایک عبادت خانہ ہے جو پتھر اور چونے کے مسالے سے بنا ہوا ہے، اس کو ایک آرکیٹیکٹ نے بنایا تھا، جس کا نام غرناطہ (اسحٰق الساحلی الغرناطی) تھا، یہاں ایک اور عظیم محل بھی ہے جو اسی شخص نے تعمیر کیا تھا، کاریگروں اور تاجروں کی دکانیں خاص طور پر پارچہ بافوں کی دکانیں کثیر تعداد میں ہیں، یورپ سے پارچہ جات درآمد کئے جاتے ہیں، شہر کی عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے کے رواج پر عمل پیرا ہیں، ماسوا غلاموں کے جو منڈی میں تمام اشیاء فروخت کرتے ہیں، شہر کے لوگ بہت متمول، خاص طور پر غیر ملکی جو اس ملک میں آباد ہو گئے ہیں، ان کے تمول کی یہ حالت ہے کہ موجودہ بادشاہ نے اپنی دو بیٹیاں دو بھائیوں سے بیاہ دیں جو بزنس مین ہونے کی وجہ سے بہت مالدار ہیں۔

ٹمبکٹو میں کثیر تعداد میں میٹھے پانی کے کنویں ہیں، جب دریائے نائجر میں طغیانی آتی ہے تو نہروں کے ذریعہ پانی شہر تک لایا جاتا ہے، شہر میں گندم اور جانور بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، دودھ اور مکھن کا استعمال بہت ہوتا ہے، نمک کی یہاں قلت ہے، کیونکہ یہ ٹمبکٹو سے پانچ سو میل دور شہر تگازا سے لایا جاتا ہے، جس میں شہر میرا قیام تھا، وہاں نمک کی قیمت 80 ڈوکاٹ (Ducat) تھی، بادشاہ کے پاس سکوں اور سونے چاندی کے ڈلے ہیں، جب کہ ان میں ایک ڈلے کا وزن 970 پاونڈ ہے، بادشاہ کے پاس تین ہزار گھوڑ سوار اور ان گنت سپاہی ہیں جو تیر کمانوں سے لیس ہوتے ہیں، بادشاہ اہل یہود کا پکا دشمن ہے، وہ کسی کو شہر میں قیام کرنے نہیں دیتا، شہر میں بہت سارے قاضی، اساتذہ اور علماء ہیں جن کا تقرر بادشاہ خود کرتا ہے، وہ علم کی قدر کرتا ہے، ہاتھ سے لکھی کتابیں بار بری سے درآمد کر کے فروخت کی جاتی ہیں، اس تجارت سے سب سے زیادہ منافع کمایا جاتا ہے، بہ نسبت دیگر اشیاء کی خرید و فروخت سے، شہر میں باغات یا پھل والے درختوں کے باغیچے نہیں ہیں''۔

(The Description of Africa by Leo Africanus 1526)

ابن بطوطہ کا سفر:

ابن بطوطہ نے مغربی افریقہ کا سفر فیض (مراکش) سے 1351ء میں شروع کیا اور فروری 1352ء میں وہ ولاطہ شہر میں آن وارد ہوا، اونٹوں کا کارواں جب طاغازہ شہر پہنچا تو پورے قافلے نے یہاں دس روز تک قیام کیا، ابن بطوطہ نے ایک ایسے نادر مکان میں قیام کیا جو سارے کا سارا نمک سے بنا ہوا تھا، صرف اس کی چھت اونٹ کی کھال کی تھی، یہاں کا پانی بہت نمکین تھا، ولاطہ کے شہر میں جب وہ قاضی کی عدالت میں گیا تو اس کا استقبال ایک عورت نے کیا جو قاضی کی دوست تھی، ابن بطوطہ کو یہ برا لگا، ابن بطوطہ نے مالی میں آٹھ ماہ قیام کیا، اس نے دیکھا کہ والدین اپنے بچوں کو قرآن بڑی سختی سے حفظ کراتے تھے، پورے ملک میں امن و امان تھا، جب وہ ٹمبکٹو پہنچا تو اس وقت یہ شہر ترقی کے زینہ پر گامزن ہونا شروع ہوا تھا، اس لیے وہ اس سے زیادہ متأثر نہ ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وضاحت

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

(ادارہ)

دعوت فکر

نئی صدی میں تعلیم مسلمانوں کے لیے اہم چیلنجز

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی و ملی فاؤنڈیشن نئی دہلی

عصر حاضر میں تعلیم کا مسئلہ پوری امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا ہے، ایک طرف دنیا کی دیگر اقوام تعلیمی میدان میں کافی آگے دکھائی دیتی ہیں، ان کے پاس تعلیم کے اعلی ذرائع اور وسائل ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال ان کے مقابلے میں کافی کمزور ہے، حالانکہ ترقی وخوشحالی کے لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے، خاص طور سے اس دور میں جب کہ انسان نے کھوج وجستجو شروع کردی ہے، اور اپنے ریسرچ کے دامن کو زمین کی سطح سے چاند اور سیاروں تک پھیلا دیا ہے، تعلیم مسلمانوں کے لیے اس لیے بھی ضروری ہے کہ مغربی پروپیگنڈہ کے سبب عالمی سطح پر مسلمانوں کی شبیہ کافی خراب ہوئی ہے، اور انہیں غیر مہذب، جاہل اور پسماندہ قوم سمجھا جانے لگا ہے، اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ ثابت کرنے کے لیے ملت اسلامیہ کو چاہئے کہ وہ تعلیم کے میدان کو سر کرے، خواہ وہ تعلیم اخلاقی ہو، روحانی و مذہبی ہو اور خواہ وہ تعلیم مادی ہو، جو علوم انسانی زندگی کے لیے مفید ہو سکتے ہیں، ان تک رسائی حاصل کرنا نئی صدی کے مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے۔

اسلام نے تعلیم کو بڑی اہمیت دی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کے حصول کی مختلف انداز میں ہدایت کی ہے، چنانچہ قرآن مجید کی وہ پہلی آیتیں جو آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، ان سے علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی وہ آیتیں، جن میں انسان کی خلافت کا ذکر موجود ہے، ان سے بھی علم کی افضلیت کا پتہ چلتا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرمایا ہے:

''اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا، زمین میں ایک نائب، فرشتے کہنے لگے، کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خوں ریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں، تحمید وتقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی، حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو، جس کو تم نہیں جانتے اور علم دے دیا اللہ تعالی نے (حضرت) آدمؑ کو کل چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں، پھر فرمایا بتلاؤ مجھے ان چیزوں کے نام (مع ان کے آثار وخواص کے) اگر تم سچے ہو، فرشتوں نے عرض کیا، آپ تو پاک ہیں، ہم کو کوئی علم نہیں ہے، مگر وہی جو کچھ آپ نے ہمیں علم دیا، بے شک آپ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں، حق تعالی نے ارشاد فرمایا: اے آدم ان کو ان چیزوں کے نام بتلادو، سو جب بتلا دیے ان کو آدمؑ نے ان چیزوں کے نام تو حق تعالی نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمینوں کی اور جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کردیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو'' (البقرہ ۳۰/ ۳۳/۳۲/۳۱)

مذکورہ آیتوں سے دو باتیں بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں، ایک انسان کی خلافت کے سلسلے میں، دوسرے انسان کے دیگر مخلوقات سے افضل ہونے کے بارے میں، مگر ان دونوں باتوں کی جو وجہ ان آیتوں سے سامنے آتی ہے، وہ علم ہے، یعنی اللہ تعالی نے آدمؑ کی خلافت اور ان کے فرشتوں کے مقابلے زیادہ خلافت کے لائق ہونے کی جو وجہ بیان فرمائی، وہ علم کی عظیم نعمت ہے، قرآن مجید

کی متعدد آیات کے علاوہ بہت سی آحادیث بھی تعلیم کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔

اگرچہ پروردگار نے تمام انسانوں کو کچھ نہ کچھ علم سے نوازا ہے، مگر خاص طور سے تعلیم کو امت محمدیہ کا شاندار وصف بنایا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو مختلف قسم کے معجزے دیے، مثلاً حضرت موسی علیہ السلام کو عصا کا معجزہ دیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیماروں کو شفا دینے، نابیناؤں کو روشنی دینے وغیرہ کا معجزہ دیا گیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادوگری پورے شباب پر تھی، اس لیے لوگوں کے جادوئی اثر کو ختم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ دیا گیا، مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا، جس میں بے شمار علوم وفنون موجود ہیں اور جس میں کائنات کے بارے میں عظیم معلومات ہیں، قرآن کریم میں اعلی ترین تمثیلات ہیں، جن کے ذریعہ نوع انساں کو سمجھایا گیا ہے، کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، اسلامی دور میں جو ترقیات ہوئی ہیں وہ کسی دور میں نہیں ہوئیں، ایسے ہی علوم وفنون کی تدوین کا زیادہ تر کام بھی اسی دور میں ہوا ہے، تاریخ کا رواج بھی دور اسلامی ہی کی دین ہے، آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دور نبوت قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے یہ پورا دور علوم وفنون سے عبارت ہے، وقت کے ساتھ تعلیم میں ترقی ہوتی جارہی ہے، لیکن چاہے ترقی زمین کی سطح پر ہو یا چاند اور سیاروں کی سطح پر، یہ بات طے ہے کہ قرآن کریم ان کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وہ چیزیں جو سائنس نے سیکڑوں سال کی کھوج کے بعد معلوم کیں، قرآن کریم نے اس کے بارے میں چودہ سو سال پہلے ہی بتادیا تھا۔

سچائی یہی ہے کہ پوری دنیا کو صحیح خطوط پر اگر چلانے کی اہلیت کسی کے پاس ہے، تو وہ مسلمان ہیں، کیونکہ ان کے پاس اللہ کا دیا ہوا ایک جامع نظام ہے، جو نقائص سے پاک ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہوں، ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرنے والے ہوں اور وسیع علم رکھنے والے ہوں، مسلمان جن کے ذمہ پوری انسانیت کی رہنمائی تھی، افسوس کہ وہ علم وحکمت کے میدان میں کافی پیچھے چلے گئے اور دیگر اقوام وملل ان سے آگے نکل گئیں، مبصرین ومفکرین کے مطابق مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے، اگرچہ علم وحکمت کا جادو ہمیشہ ہی سر چڑھ کر بولتا ہے، تاہم موجودہ عہد میں علوم وفنون کی اہمیت وضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی ہے، المیہ یہ ہے کہ جس صدی میں مسلمانوں کو تعلیم کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اسی میں وہ اور زیادہ پسماندہ نظر آرہے ہیں۔

مسلمانوں میں تعلیمی گراوٹ دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم میں ہے، باوجود ہزاروں دینی تعلیمی اداروں، مسلم جماعتوں اور تنظیموں کے جابجا ایسے بہت سے مسلمان مل جائیں گے، جنہیں نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ معلوم نہیں، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کے مسائل کا علم نہیں، یہاں تک کہ ان سے قرآن مجید ٹھیک ٹھیک تلاوت کرنی نہیں آتی، جب کہ دین کی بڑی حد تک معلومات، اسلام پر چلنے کے لیے ضروری ہے۔

اس سے زیادہ گئی گزری حالت عصری تعلیم کی ہے، مسلمانوں کے کتنے بچے ایسے ہیں، جو پرائمری اسکولوں میں ہی نہیں جاتے، جو جاتے ہیں، ان میں سے بہت سارے بورڈ تک تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، اور درمیان میں تعلیم چھوڑ دیتے ہیں، جب کہ گریجویشن تک کی تعلیم ہر شخص کو حاصل کرنی چاہئے، گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن میں مسلم طلباء کی تعداد گنی چنی رہ جاتی ہے، گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کے بعد جو خصوصی کورسز شروع ہوتے ہیں وہ اور زیادہ اہم ہوتے ہیں، جن میں مسلم طلباء چند ہی دکھائی دیتے ہیں، مثلاً ایم فل، پی، ایچ ڈی، ماس کمیونکیشن، لاء اور دیگر اقتصادیات، سیاسیات، سماجیات، نفسیات، کمپیوٹر اور انجینئرنگ پر مشتمل کورسز اور ڈپلوماز وغیرہ۔

اگر گریجویشن کے بعد کچھ اسپیشل کورسز کر لیے جائیں تو ان کا فائدہ معاشی لحاظ سے بھی نظر آتا ہے، مگر ان کورسیز میں داخلہ کا مجاز ہونے کے لیے گریجویٹ ہونا عام طور پر ضروری ہوتا ہے ﴿بقیہ صفحہ ۲۶ / پر﴾

پیغام عمل

اہل افتاء کے لیے لمحۂ فکریہ

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

یہ سوچنے کی بات ہے اور اس پر بہت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے اور چوں کہ اس کا تعلق کسی ایک فرد، ادارے یا ذات سے نہیں ہے بلکہ یہ اجتماعی وقار کا مسئلہ ہے اس لیے آپ اور ہم سب اس میں برابر کے شریک ہیں، نہ یہ کسی پر طنز ہے اور نہ تعریض اسے ہم مشترکہ درد سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں مسلمانان ہند کے لیے مدارس اسلامیہ اور علماء کرام خدا کا ایک انعام ہے اور ان کا جتنا بھی احترام کیا جائے وہ کم ہے، علماء کی خدمات، عظیم کارناموں اور مدارس کے قائدانہ کردار پر گفتگو کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ کوئی یہ موقع، تاریخ کے مختلف پڑاؤ اور مختلف منزلیں شب وروز کی زندگی اور صبح وشام کا معمول ان کی عظمتوں اور قدر ومنزلت کا احساس دلاتا ہے، ان پر یہ نکتہ چینی نہ درست ہے اور نہ اس کا کوئی جواز، ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گرہ الجھ جاتی ہے تو ایسے مواقع پر لوگوں کی انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں اور سوالیہ نشانات قائم ہونے لگتے ہیں، گو یہ عمل عارضی اور وقتی ہوتا ہے، لیکن اگر یہ مستقل صورت اختیار کرلے تو معاملہ سنگین صورت اختیار کرسکتا ہے، اور یہی چیز ہماری اس تحریر کی تشویش کا سبب ہے۔

اسلام بیداری کا پیغام لے کر آیا تھا اور بیدار رہنے کا مطلب صرف عبادات میں منہمک رہنا نہیں ہے بلکہ اطراف وجوانب سے باخبر رہنے کا نام بھی ہے، دین کی کماحقہ معلومات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گردوپیش سے آدمی غافل نہ رہے؛ بلکہ فراست مؤمن کا جو مکمل عنوان ہے وہ دینی اور دنیوی معاملات میں بصیرت اور بصارت کے ساتھ کام کرنے کا نام ہے، آدمی اس سے محروم ہو تو پھر اس کی نہ کوئی رائے ہوتی ہے اور نہ کوئی دلیل حقیقی دلیل بن پاتی۔

ایک عالم، ایک مفتی اور ایک صاحب علم وفضل کا فریضہ ہے کہ جب اس سے دین کی کوئی بات پوچھی جائے تو وہ جواب میں عجلت کا مظاہرہ نہ کرے اور پورے مطالعہ ورسوخ کے ساتھ بات کہے تاخیر سے جواب دینا کوئی عیب نہیں ہے، احتیاط کا مظاہرہ کرنا احسن ہے، جو لوگ اس پر کاربند ہیں وہ کامیاب ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی سننا نہیں چاہتا تو آپ عنداللہ بری الذمہ ہیں، ظاہر ہے کوئی بھی شخص سچ اور حق بات پہنچانے کی اپنی تمام بہترین کوشش کام میں لاسکتا ہے، لیکن کسی کے دل میں حق کو راسخ کردے یہ اس کی ذمے داری نہیں۔

ہندوستانی مسلمان گذشتہ پچاس سال میں جانی مالی، اقتصادی اور معاشی، زبوں حالی کا شکار ہیں، ہر محاذ پر محرومیاں اور مایوسیاں ان کے سامنے کھڑی ہیں اور ہر دروازے سے بے روزگاری اور نکبت ان کے گھروں میں داخل ہونا چاہتی ہے، مٹھی بھر لوگوں کا اگر ذکر نہ کیا جائے تو ایک عام مسلمان تنگدستی اور افلاس کے اندھیروں میں زندگی بسر کر رہا ہے، مگر ان سب کا یہ جذبہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے، کہ وہ دین اور مذہب کو اختیار کئے بغیر زندگی گذارنے کے لیے آمادہ نہیں، ایسے میں علماء دین کا فرض بن جاتا ہے، کہ وہ ان کی بھرپور دینی رہنمائی فرمائیں اور کسی موقع پر یہ احساس نہ ہونے دیں کہ وہ مسلمانوں سے دور ہیں، گذشتہ دنوں مسلم معاشرے اور سماج میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے دین پسند طبقوں کو ہلا کر رکھ دیا اور اسلام دشمن میڈیا نے ان مواقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور مختلف ٹی وی چینلوں پر کچھ ناسمجھ اور لاعلم مسلمانوں نے بھی علماء کو ہدف تنقید بنایا، ادھر میڈیا نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا، عارف گڑیا کا مسئلہ ہو یا عمرانہ کیس عورتوں کے انتخابات

میں حصہ لینے کا معاملہ ہو یا پولیو کی دوائی پلانے کا مسئلہ سب جگہ مسلمانوں نے علماء کرام معتبر اور مشہور عالم علمی درسگاہوں جماعتوں اور تنظیموں سے رابطہ قائم کیا، کچھ مسائل میں علماء اور ادارے جماعیت اور تنظیمیں بکھری ہوئیں نظر آئیں اوران میں اتفاق رائے نہ ہوسکا، یہ ضروری ہے کہ پہلے صورت حال کی تحقیق کی جائے بند کمروں میں بیٹھ کرفتوے جاری نہ کئے جائیں اور متعلقہ مسائل پر بھرپور واقفیت حاصل کئے بغیر کوئی تحریر جاری نہ کی جائے، بلکہ وقت اور حالات کی نزاکت یہ کہتی ہے کہ ایسا مربوط نظام ہو کہ مرکزی اداروں جماعتوں اور تنظیموں کے صاحب علم وفضل حضرات ایک جگہ بیٹھیں اور معاملات کی پوری تحقیق اور چھان بین کے بعد دینی امور کی جانب رہنمائی ہو، عجلت کا لفظ ہم نے پہلے بھی استعمال کیا ہے، یہ عجلت مسابقت کی دین ہے، اس سے بچیں اور احتیاط کریں یہ ایک لطیفہ سہی مگر ایک کڑوی سچائی ہے کہ ایک مفتی صاحب سے ٹی وی کے جواز اور عدم جواز پر فتوی لیا گیا تو ان کا جواب تھا کہ اگر ٹی وی پر تصویر نظر آ رہی ہے تو ناجائز ہے اور اگر تصویر دکھائی نہیں دیتی تو جائز ہے، یہ بات اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتی ہے کہ مفتی صاحب ٹی وی کیا ہے، کیا نہیں ہے اس سے قطعی واقف نہیں تھے، ایسے ہی بے شمار مسائل ہیں جو دور جدید کی پیداوار ہیں، ان مسائل سے بھرپور آگاہی کے بعد صاحب فتوی شریعت اور دین کا حکم بیان کرے، اس میں نہ کوئی خجالت کی بات ہے اور نہ شرمندگی کا کوئی پہلو۔

ہماری اس تحریر کا مقصد قطعی طور پر اپنے بڑوں بزرگوں اور اداروں کے اعتماد کو متزلزل کرنا نہیں ہے، لکہ اس فضا اور ماحول کو ختم کرنے کی ایک تدبیر ہے، جو علماء سے متعلق بنتا جارہا ہے، اللہ نے انھیں عزت عظمت اور وقعت عطا کی ہے اور ہر مسلمان دینی رہنمائی کا محتاج ہے، ایسے میں کیا یہ فرض نہیں بنتا کہ پوری بیداری کا ثبوت دیا جائے اور عوام میں جو یہ تأثر مرتب ہورہا ہے کہ علماء صحیح دینی رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے پارہے ہیں، اس تأثر کو ختم ہونا چاہئے۔

﴿بقیہ صفحہ ۲۴ کا﴾

سول سروسز کے لیے مقابلہ جاتی امتحانات میں شرکت بھی بڑی اہم ہے، لیکن ان میں مسلمان نا کے برابر ہی دکھائی دیتے ہیں۔

نئی صدی کے لیے مسلمانوں کے پاس جامع ومؤثر لائحہ عمل ہونا چاہئے، ماہرین علوم اور مفکرین ایسا کوئی خاکہ ملت کے سامنے پیش کریں جوملت اسلامیہ کو ہر سطح پر مضبوط بناتا ہو اورانہیں دنیاوآخرت دونوں جہاں میں کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہو، تعلیمی لائحہ عمل بنا کر اسے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کی ضرورت ہے، تاکہ نئی نسل اس سے فائدہ حاصل کرسکے، ایک جامع تعلیمی خاکہ تمام مسلمانوں تک پہنچانا اس لیے بھی بے حد ضروری ہے کہ بہت سے برادران اسلام کو یہ معلوم ہی نہیں کہ تعلیم کے کون سے میدان ہیں اور تعلیم کے کون سے کورسز کو پڑھ کر کیا خدمات انجام دی جاسکتی ہیں، اوران سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے، اپنی کم علمی کی بنیاد پر بہت سے لوگ اپنے بچوں کو اندھادھند تعلیم حاصل کراتے ہیں، جن کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم سے سالہا سال تک مربوط رہنے کے باوجود بھی ان کا مستقبل تابناک ہوتا نظر نہیں آتا ہے، ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ سوسائٹی میں رائج کورسیز کو دیکھ کر بہت سے مسلم والدین بھی اپنے بچوں کوانہیں کورسیز کو پڑھانے میں دلچسپی لیتے ہیں، جب کہ ضروری نہیں کہ وہ تعلیم مسلم بچوں کے لیے مفید ہو، اگر مسلمانوں کے پاس اپنا تعلیمی لائحہ عمل ہوتو پھر کم پڑھے لکھے والدین کو اپنے بچوں کو تعلیم دلانے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی، تعلیمی لائحہ عمل کو اس طرح بنانے کی کوشش کی جائے کہ ایک طرف طلبہ دین کے علمبردار، نماز روزہ کے پابند اور متقی وپرہیز گار ہوں، تو دوسری طرف بہترین انجینئرز، بہترین سائنس داں، بہترین محقق اور بہترین سوچ رکھنے والے بھی ہوں، اس طرح اگلے چند دنوں میں مسلمانوں میں تعلیمی سطح پر عظیم انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

تحریکات

CLIPS not found. CLIPS not found.

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
ایک تحریک اور اس کا پس منظر

جناب عادل صدیقی دیوبند

ادب ، سیاست ، مذہب ، تعلیم ، معاشرت اور جدید وقدیم کے امتزاج پر توجہ صرف کرنے والے، دائرہ کار کو لامحدود وسعت دینے والے بے محل انسانوں کو جہد وعمل کا درس دینے والے ، فیصلہ کن اور تاریخ ساز لمحات سے نبرد آزمائی کرنے والے، قوم کی خدمت کو اولیت دینے والے، محض آباؤ اجداد کے کارناموں پر فخر کر کے زندگی کو محدود نہ کرنے والے اسلام کی مرکزیت کا تعلیم کے راستے ، احساس جگانے والے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جان پر کھیل کر بلا لحاظ رنگ ونسل انسانوں کی حفاظت کرنے والے مسلمانوں کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے والے ، اندھیرے میں زندگی کی شمع روشن کرنے والے کون: سرسید احمد خان جنھوں نے مسلمانوں کی تباہی وبربادی کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو مسلمانوں کو تعلیم کے راستے اس شکست وریخت سے نکالنے کے لیے ایک تحریک کی صورت میں ابھرے اور اسی تحریک کی بدولت آج مسلمان معاشرے میں باعزت زندگی گزارر ہے ہیں، آپ کی تصنیف ''اسباب بغاوت ہند'' کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ مذہبی اختلافات کو انہوں نے سیاسی یا قومی اہمیت نہیں دی؛ بلکہ اپنی ساری عمر قوم کی بھلائی اور تعلیم دینے کی کوشش کو ہی زندگی کا عظیم ترین مقصد سمجھا۔

سرسید احمد خاں نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے ایک آزاد مسلم یونیورسٹی کے قیام کا خواب دیکھا تھا، جو آج ایک عملی صورت میں قوم وطن کی بے لوث خدمت کے لیے رات دن مصروف ہے؛ لیکن اس یونیورسٹی کی تحریک کے پس منظر میں ایسی ایسی عظیم شخصیتیں ہیں جو عصر حاضر میں سماجی انقلاب لانے کا ذریعہ بنیں، اس دور میں دو مکاتیب فکر اپنی اپنی جگہ کام کر رہے تھے، ۱۸۵۷ کے غدر کے بعد مسلمانوں کے علمی وفنی کمالات پس پردہ جا پڑے تھے، ان کے احیاء کے لیے ایک مکتبہ فکر مولانا محمد قاسم صاحب ، حاجی عابد حسین صاحب ، حاجی امداد اللہ صاحب کی قیادت میں احیاء دین اسلام کو اولیت دینا چاہتا تھا، جب کہ ان کے برعکس سرسید احمد خاں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کرانے اور ان کو عصر حاضر کی تعلیم سے آراستہ کر کے ان کو دنیاوی جاہ وجلال سے آراستہ کرنے پر زور دے رہے تھے، اس سلسلے میں مولانا محمد قاسم صاحب اور سرسید احمد خاں کے درمیان خط وکتابت چل رہی تھی، مولانا محمد قاسم نے ایک خط سرسید کو لکھا کہ وہ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں، سرسید کو مولانا کا انداز فکر پہلے ہی سے معلوم تھا، چنانچہ انھوں نے اس خط کے جواب میں غالب کا یہ شعر لکھ بھیجا

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ ودل فرش راہ
کوئی ہم کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے

جب یہ خط مولانا قاسم نانوتوی کو ملا تو آپ نے برجستہ ایک خالی خط اٹھایا اور اس کو، اس طرح لکھ دیا۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

مختصراً یہ کہ ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء کو مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم

دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کے بعد سرسید کا آزاد مسلم یونیورسٹی کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا، لیکن انسان خواہ کتنا ہی بڑا نصب العین اپنے سامنے رکھے ضروری نہیں کہ اس نصب العین کی تکمیل اس کے سوچے ہوئے نہج کے مطابق ہی ہو، سرسید مرحوم کے عزائم کا المیہ یہی تھا کہ علی گڈھ اپنی تمام بڑائیوں، خوبیوں اور کامرانیوں کے باوجود ان کے خواب کی سچی تعبیر نہ ہوسکا۔

اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے، مثلاً یہ کہ علماء نے انگریزی تعلیم کی مخالفت کی، خیال رہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے ہاتھوں رکھا گیا، شیخ الہند دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے، سرسید کی مخالفت علماء نے نہیں کی؛ بلکہ ان کے ہم پیش لوگوں نے ہی کی، ان کے شدید ترین مخالفوں میں ڈپٹی امداد علی اکبر آبادی کا نام سرفہرست ہے، سرسید صاحب جدید تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتیں دلانا چاہتے تھے، مسلمانوں کی معاشی زندگی بدحالی سے گذر رہی تھی چونکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہی حکومت چھینی تھی، اس لیے قدرتی طور پر مسلمان انگریزوں کے عتاب کا شکار تھے، سرسید نے مسلمانوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا مشورہ دیا، علما یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ انگریزی حکومت کروڑوں روپئے کی لاگت سے عیسائیت کی تبلیغ کررہی ہے، ہر جگہ مشن اسکول، مشن اسپتال اور گرجا گھروں کی تعمیر ہورہی ہے، عیسائی بننے کے لیے طرح طرح کے لالچ دیئے جارہے ہیں، اسی پس منظر میں علماء نے دینی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا اور اسی وجہ سے علی گڈھ کے قیام سے قبل دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔

آج دنیا میں مسلمان ترقی کی راہ پر گامزن ہیں، مسلمانوں کی تعداد پوری دنیا میں ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، دنیا میں مسلمان دوسری سب سے بڑی قوم ہیں، افریقہ کے مغربی ساحل سے لے کران کے ساٹھ سے زیادہ آزاد ملک ایشیا کے مشرقی کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں ان کی بڑی تعداد یورپ، امریکہ، میکسیکو اور جنوبی امریکہ نیز انڈونیشیا میں آباد ہیں، ان کے پاس پٹرول، قدرتی گیس، لوہا، سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات، تابنا، المونیم، منگنیز، باکسائیٹ اور طرح طرح کے قدرتی وسائل موجود ہیں؛ لیکن ان سے استفادے کے لیے جدید تعلیم کی ضرورت ہے اس پس منظر میں آج ہم علی گڈھ یونیورسٹی کے مرہون منت ہیں کہ سرسید کے نظریات فی الواقع مسلمانوں کو دور حاضر سے ہم آہنگ کرسکتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج مسلمان مغرب اور مشرق کے غلام بنے ہوئے ہیں، اسرائیل جیسی چھوٹی ریاست، مسلمانوں کے ناک میں دم کئے ہوئے ہے، یہ بدترین حالت اسی وجہ سے ہے کہ ہم نے دیوار کا لکھا نہیں پڑھا اور ترقی کے عصری تقاضوں کو نہیں پہچانا، سرسید احمد خاں کی دوررس نگاہوں نے ان تمام ضرورتوں اور تقاضوں کو اپنے دور ہی میں پہنچان لیا تھا، انھوں نے تعلیم اور حکومت کے حالات کا بھی گہرائی کے ساتھ مشاہدہ ومطالعہ کیا تھا، ان حالات سے متأثر ہوکر ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کی اور محنت اور لگن سے فرائض ملازمت انجام دیئے، خود انگریزوں نے بھی ان کی خدمات کو سراہا، انھوں نے ضروری سمجھا کہ انگلستان کے نمونے پر کالج قائم کیا جائے۔

اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے انھوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ملک کے دانشوروں کی ذہن سازی کی، ہندوستان میں ایک ایک سے اپنا درد بیان کرتے اور چندہ کی اپیل کرتے، انتہائی مخالفت اور مشکلات کے دوران انھوں نے اپنا مشن جاری رکھا، چنانچہ ۲۴/جنوری ۱۸۷۷ء کو علی گڈھ کی سرزمین پر کالج کا سنگ بنیاد رکھا، اس کا نام محمڈن اینگلو اورینٹل کالج رکھا، یہی کالج ۱۹۲۰ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں مرکزی یونیورسٹی کے مرتبے میں اپنی شناخت بنا سکا، خاص بات یہ تھی کہ سرسید قومی یک جہتی کے حامی تھے اور وہ سب کو تعلیم دینے کے حق میں تھے، سرسید احمد خاں تعلیم کے ذریعہ پوری نوع انسانیت کو فائدہ پہونچانا چاہتے تھے۔ ﴿بقیہ صفحہ ۳۷ پر﴾

☆☆☆☆☆☆☆☆

اتباع سنت

کامیابی کی چار بنیادی باتیں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ تو یوں بھی ضروری ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، امتی ہونے کی حیثیت سے لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل مبارک پر غور وفکر کیا جائے اور اسے اپنانے کی پوری کوشش کی جائے، مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک سیرت کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت دل میں جاگزیں نہ ہو، تب تک اس کے بغیر ہمارا ایمان کامل نہیں رہ سکتا اور نہ ہی ہمارے معاشرے پر وہ اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، جو حقیقتاً مطلوب ہیں، اگر دل ودماغ میں رسول کی محبت وعظمت کا سرمایہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنانے میں کوئی دشواری اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کی وجہ سے آپؐ کے ساتھ ہمارے تعلق کی چند بنیادیں ہیں، جب تک یہ بنیادیں مضبوط نہ ہوں تب تک سیرت طیبہ پر عمل کا حق ادا نہیں ہوسکتا، یہ بنیادیں بھی اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ذکر فرمادی ہیں:

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" ۔(پارہ۹/رکوع۹)

ترجمہ: ''پس جو لوگ ایمان لائے آپ پر اور جنھوں نے آپ کی رفاقت (تعظیم) کی اور آپ کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو آپ پر نازل کیا گیا، تو وہی لوگ کامیاب ہیں''۔

اس آیت میں غور کرنے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم کرنے کی جو بنیادی چیزیں ہیں ان کو ہمیں تو جان ودل سے لگانا ہوگا، کیونکہ پوری کامیابی تبھی حاصل ہوسکتی ہے جب کہ ان بنیادی چیزوں کو ہم نے مضبوطی سے پکڑے رکھا اور ہماری دنیا وآخرت انہیں بنیادی چیزوں سے سنور سکتی ہے، اس لیے ہم کو اور آپ کو چاہئے کہ ان بنیادی چیزوں پر عمل پیرا ہوں:

۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے۔
۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وتعظیم کی جائے۔
۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی جائے۔
۴- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نور ہدایت (قرآن) نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی جائے۔

ایمان ویقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہمارے تعلق کی اولین بنیاد یہ ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر ایمان لائیں، نیز اس بات کا یقین واقرار کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے لیے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

عظمت وتوقیر:

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ ہر امتی کے دل میں آپ کی ذات مبارک کے متعلق بے پناہ تعظیم وتوقیر ہو، ادنی سی بے توقیری اور سوء ادب کا واہمہ بھی خیال میں نہ آئے، قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" ۔(پارہ ۲۶/سورۃ الحجرات رکوع۱۳)

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے ایسے کھل کر بولو، جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے

سے کھل کر بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو‘‘۔

گویا اس آیت کے مصداق کچھ ایسے لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں زبان آوری کے جوہر دکھانا چاہتے تھے، جس پر اللہ تعالی نے تنبیہ فرماتے ہوئے ایمان والوں کو اس بات سے منع فرمایا ’’کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک سے اپنی آواز کو بلند کرنا سوءِ ادب ہے‘‘ مگر اس کے مخاطب وہ افراد بھی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واحکام پر رائے زنی کرتے ہیں اور انہیں دقیانوسیت سے تعبیر کرتے ہیں، یا حیلے، بہانے تلاشنے لگتے ہیں، تو وہ بھی اسی آیت کے تحت شامل ہیں، اس لیے کہ اگر نبی کی عظمت ووقعت دل میں ہو تو انسان نہ آواز بلند کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی رائے زنی پر جسارت کرتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ’’اور ہم نے رسولوں کو خاص اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم الٰہی ان کی اطاعت کی جائے‘‘۔

نصرت:

رسالت ونبوت اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک فرض منصبی ہے، بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر لانا، شرک کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے انسانوں کو توحید کی روشن صراط مستقیم دکھانا، انسانیت کو عمل صالح، مکارم اخلاق کا خوگر بنانا، انسان پر سے انسانی خدائی کو ختم کرنا، انسان کو اس بات کا یقین دلانا کہ ایک دن وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور پھر وہ دن بھی آئے گا کہ جب اسے اپنی پوری زندگی کے حساب کے لیے اپنے خالق ومالک کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا، ان تمام امور کی انجام دہی کے لیے رسول پر تبلیغ وجہاد کا بارگراں ڈالا جاتا ہے، یہ بہت کٹھن اور سخت مرحلہ ہوتا ہے، جب انسانوں کو ان کے من گھڑت شرکیہ عقائد سے ہٹا کر راہ راست پر لانا جہاں اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں، پورا ماحول دشمن بن جاتا ہے، اس حالت میں رسول کے ماننے والوں پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے نبی کے ساتھ نصرت ومدد کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔

حضورؐ کے لائے ہوئے قرآن کا اتباع:

چوتھی بنیاد جو آیت میں ذکر کی گئی وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت (قرآن وسنت) کا اتباع۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ونبی ہونے پر ایمان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ومدد اور آپ کا لایا ہوا نور ہدایت، ضابطۂ حیات اور اسوۂ حسنہ پر عمل یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنیادی شرائط ہیں۔

لیکن آج کے اس پرفتن اور پرآشوب دور میں ہم نے اپنے پورے دین کو پس پشت ڈال رکھا ہے، معاشرے میں منکرات کا چلن عام ہے اور بدعات وخرافات کا دوردورہ ہے، اللہ سے بغاوت وسرکشی، دین اسلام سے دوری، دینی تہذیب سے نفرت، دینی اعتقادات ومسلمات کا مذاق، علماء امت اہل اللہ، داعیان دین، مجاہدین راہ حق کے متعلق شیطانی خیالات بغیر کسی جھجھک اور روک ٹوک کے ظاہر کئے جاتے ہیں، اس صورتحال میں بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ سیرت طیبہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے، اس کو اپنی انفرادی زندگی میں راسخ کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت سیرت کو زندگی کا جزو اعظم بنایا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تہذیب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ وعمل میں ہی ہماری حیات ونجات کا راز مضمر ہے، بس اسی کو ’’عضوا علیها بالنواجذ‘‘ کے مطابق مضبوطی سے تھام لیا جائے، ورنہ وہ دن دور نہیں ہے کہ مغرب سے آنے والا کفر وشرک اور آزاد شیطانی تہذیب کا سیلاب ہمیں اڑا کر لے جائے گا، تب کوئی بھی سعی وکوشش کارگر نہ ہوگی، اس لیے اللہ تعالی ہم سبھی مسلمانوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

آئین ہند

تیسری قسط

ہندوستان کا دستور

تلخیص وترتیب: محمد ارشد فیضی

دستور ہند پر اجمالی گفتگو کی تیسری کڑی پیش خدمت ہے، زیر نظر تحریر میں اسپیکر کا درجہ، نشستوں کا خالی کرنا، منفعت بخش عہدہ، جرم، ممبران کی نااہلیتیں، اس کا فیصلہ، پارلیمنٹ اور اس کے ارکان کے اختیارات، قانون سازی کا طریقہ کار، دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست، رقمی بل کے متعلق خصوصی طریقہ کار، بلوں کی منظوری، مالیاتی امور میں طریقہ کار اور پارلیمنٹ میں بحث پر پابندی جیسے اہم عنوانات کے تحت دستور ہند کی روشنی میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس سلسلے کی خاصی معلومات فراہم کرتی ہے۔

واضح رہے کہ دستور ہند کا یہ خلاصہ ۲۰۰۱ء تک کے ترمیم شدہ قانون کے مطبوعہ نسخہ سے پیش کیا جارہا ہے، اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، اس لیے اس کو اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ (ادارہ)

اسپیکر کا درجہ:

دفعہ ۱۰۰ رمیں درج تفصیلات کے مطابق اگر پارلیمنٹ میں کسی بل کی منظوری یا عدم منظوری کی گفتگو جاری ہو تو اسپیکر، نائب اسپیکر، میر مجلس اور نائب میر مجلس میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اول مرحلہ میں کسی پہلو پر اپنا ووٹ دیں، ہاں اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ دونوں جانب برابر برابر ووٹ پڑے ہوں اور کسی ایک پہلو پر فیصلہ ہونا ہو تو پھر اس وقت ان حضرات کا ووٹ فیصلہ کن درجہ رکھے گا اور اس فیصلہ پر ہر ایک کو عمل کرنا ضروری ہوگا۔

نشستوں کا خالی کرنا:

دستور ہند کی دفعہ ۱۰۱ر کے شق نمبر ۳ر کا خلاصہ بتلاتا ہے کہ اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی بھی ایوان کے کسی رکن کی نااہلیت سامنے آجائے اور پارلیمنٹ یہ محسوس کرے کہ وہ اپنی ذمہ داری نبھانے کا اہل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اسے اپنی سیٹ چھوڑ دینی پڑتی ہے، چوں کہ ایسے شخص کو کسی بھی طرح اپنے عہدے پر برقرار رہنے کا حق نہیں ہے۔

منفعت بخش عہدہ:

قانونی طور پر کسی بھی ایک شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ پارلیمنٹ کا ممبر ہوتے ہوئے کسی ریاست کی مجلس قانون ساز کا رکن ہو، اگر کوئی شخص ان دونوں عہدوں پر ایک ساتھ رہے تو انہیں قانون کے مطابق پارلیمنٹ کی رکنیت چھوڑ دینی پڑتی ہے، الا یہ کہ اس نے مجلس قانون ساز کی رکنیت پہلے چھوڑ دی ہو اور اس سے خود کو الگ کر لیا ہو۔

جرم:

دفعہ ۱۰۱ر کی شق ۴ر میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اگر پارلیمنٹ کا کوئی رکن مسلسل ۶۰ر دنوں تک بلا ایوان کی اجازت کے غائب رہے اور کسی بھی اجلاس میں شریک نہ ہو تو ایوان کو یہ حق ہے کہ وہ اس نشست کو خالی قرار دے کر کسی اور شخص کے ذریعہ اس کو پر کرنے کی کوشش کرے، لیکن ان ساٹھ دن کی غیر حاضری میں وہ ایام شمار نہ ہوں گے جن میں ایوان برخواست ہو جائے یا مسلسل چار دنوں تک ملتوی رہے۔

نااھلیتیں:

دفعہ۱۰۲ر کے مطابق اگر پارلیمنٹ کا کوئی رکن دونفع بخش عہدے پر فائز ہوتو دستور ہند کی رو سے ایسے شخص کو نااہل قرار دے دیا جاتا ہے،لہٰذا اسے اپنی رکنیت چھوڑ دینی پڑتی ہے، ہاں اگر پارلیمنٹ نے ان دونوں عہدوں کو الگ الگ قرار دے دیا ہو اور ان دونوں پر ایک ساتھ قائم رہنے کی اجازت دے دی ہوتو پھر اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

یا وہ فاتر العقل ہو

یا وہ غیر بری الزمہ دیوالیہ ہو

یا وہ بھارت کا شہری نہ ہو

یا اسے پارلیمنٹ نے قانونی طور پر نااہل قرار دے دیا ہو،تو ان تمام صورتوں میں ایسے شخص کو پارلیمنٹ کا رکن بنے رہنے کا حق قطعاً نہ ہوگا۔

نااھلیت کا فیصلہ :

دفعہ۱۰۳ر کی تفصیل یہ ہے کہ اگر پارلیمنٹ اپنے کسی رکن کے بارے میں یہ محسوس کرے کہ اس کے اندر کسی قسم کی نااہلیت پائی جارہی ہے،تو اس بارے میں پارلیمنٹ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ صدر کو تحریری شکل میں اس کی اطلاع دے اور پھر اس وقت صدر جو بھی فیصلہ کرے گا وہ حتمی ہوگا۔

یہ درست ہے کہ کسی کی نااہلیت کا فیصلہ کرنے کے لیے صدر کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے،لیکن صدر کو تنہا اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے؛ بلکہ وہ اس بارے میں انتخابی کمیشن سے رائے لے کر اس سمت میں کوئی قدم بڑھائے گا۔

قانون کی دفعہ۱۰۴ر بتلاتی ہے کہ اگر پارلیمنٹ نے کسی شخص کو نااہل قرار دے دیا ہو اور وہ شخص بذات خود بھی اس سے واقف ہو،اس کے باوجود وہ بضد ہو کر اپنی نشست پر برقرار رہے یا کسی مسئلہ پر اپنا ووٹ دے،تو ایسے شخص کو اپنے اس طرز عمل کے جرم میں ۵۰۰ر روپئے کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

پارلیمنٹ اور اس کے ارکان کے اختیارات:

قانون کی دفعہ ۱۰۵ر کے مطابق ہر رکن پارلیمنٹ کو پارلیمنٹ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ایوان میں آزادنہ طور پر اپنی بات رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

اگر کوئی رکن پارلیمنٹ کسی معاملے میں اپنا ووٹ دے،تو اس سے اس کی علت یا سبب دریافت نہیں کی جائے گی ، بلکہ اس کے اس قدم کو آزادیٔ رائے پر محمول کیا جائے گا۔

ہاں اگر اس سلسلے میں پارلیمنٹ کوئی قانون بنادے تو اس کا احترام کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہوگا اور اس کی خلاف ورزی جرم تسلیم کی جائے گی۔

قانون سازی کا طریقہ کار

قانون کی دفعہ۱۰۷ر کی نقطہ نظر سے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو اختیار ہے کہ وہ دفعہ۱۰۹ر اور ۱۱۷ر کی توضیحات کے تابع رقمی اور مالیاتی بل کو جو چاہے پہلے اپنے ایوان میں پیش کرے اس کے لیے پہلے اور بعد کی کوئی قید نہ ہوگی۔

دفعہ۱۰۷ر کے فقرہ ۲ر کے مطابق پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا کوئی بھی بل اس وقت تک قابل عمل قرار نہیں پائے گا جب تک دونوں ایوانوں کے ارکان اس بل پر بحث کر کے کوئی فیصلہ نہ کرلیں۔

اسی طرح اگر کوئی بل راجیہ سبھا میں پیش ہوتو لوک سبھا کے ٹوٹ جانے سے یہ بل ساقط نہ ہوگا، بلکہ علی حالہ باقی رہے گا۔

اگر کوئی بل لوک سبھا میں زیرغور ہو، یا لوک سبھا سے منظور ہو کر راجیہ سبھا میں زیرغور ہو،تو پھر لوک سبھا کے ٹوٹ جانے سے یہ بل ساقط ہو جائے گا، چونکہ اس کا تعلق لوک سبھا سے ہے اور وہ فوت ہو چکی ہے۔

دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست

دفعہ۱۰۸ر کے تحت ذکر کی گئی تفصیلات کے مطابق اگر کوئی بل ایک ایوان میں منظور ہونے کے بعد دوسرے ایوان میں منتقل ہونے کے بعد وہاں نامنظور ہوجائے ، یا پھر دونوں ایوانوں میں اس بل کے متعلق اختلافات ہوں، یا پھر دوسرے ایوان میں اس کے پہنچنے کے بعد بغیر کسی تبصرہ کے چھ ماہ کا عرصہ گذر جائے تو پھر اس بل پر بحث کے لیے صدر

دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست بلاکر اس بل پر بحث کرائے گا اور پھر اس بل کی منظوری یا نامنظوری کا فیصلہ بذریعہ ووٹ ہوگا اور ایسی صورت میں قانونی طور پر اس بل کو دونوں ایوانوں سے منظور شدہ سمجھا جائے گا، لیکن اگر اس طرح کا کوئی بل لوک سبھا کے ٹوٹ جانے سے ساقط ہو جائے تو پھر اس کے لیے مشترکہ اجلاس بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس چھ ماہ کی مدت میں وہ ایام شمار نہ ہوں گے، جن میں پارلیمنٹ برخواست ہوگئی ہو، یا مسلسل چار دن سے زائد دنوں تک ملتوی رہی ہو۔

رقمی بل کے متعلق خصوصی طریقہ کار

دفعہ ۱۰۹ر میں یہ وضاحت موجود ہے کہ کسی بھی طرح کا رقمی بل اگر لوک سبھا سے منظور ہو جائے تو اب اسے بغرض سفارش راجیہ سبھا میں منتقل کردیا جاتا ہے اور راجیہ سبھا کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ چودہ دن کے اندر اندر اپنی سفارشات کے ساتھ یہ بل لوک سبھا کو واپس کردے، اب اس واپسی کے بعد لوک سبھا کو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ راجیہ سبھا کی کسی سفارش کو قبول کرے یا نہ کرے، غرض یہ کہ لوک سبھا اس کے متعلق جو بھی قدم اٹھائے راجیہ سبھا کی اس پر نکیر کا حق قطعاً نہ ہوگا۔

اگر لوک سبھا راجیہ سبھا کہ کسی سفارش کو قبول کرکے اس بل کو منظوری دے دے تو پھر اس بل کو اتفاق رائے سے منظور ہونا سمجھا جائے گا، اگر یہ بل راجیہ سبھا کی سفارش کو قبول کیے بغیر ہی منظور ہو جائے تو پھر اس بل کا لوک سبھا سے منظور ہونا متصور ہوگا۔

اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی رقمی بل لوک سبھا کے اندر منظور ہونے کے بعد راجیہ سبھا میں بھیج دیا گیا ہو، مگر راجیہ سبھا ۱۴ر دن تک کوئی جواب نہ دے، تو اس مدت کی تکمیل کے بعد اس بل کا اس صورت میں دونوں ایوانوں سے منظور شدہ سمجھا جائے گا، جو صورت لوک سبھا نے پیش کی تھی۔

بلوں کی منظوری

دفعہ ۱۱۱ر کے مطابق اگر کوئی بل پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور ہو جائے تو پھر یہ بل صدر کو سپرد کردیا جاتا ہے، اب انکی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ فوری طور پر اس بل کی منظوری یا عدم منظوری کا اعلان کرے۔

قانونی نقطہ نظر سے اگر بل رقمی نہ ہو تو پھر صدر کو اختیار ہے کہ اس بل کی اطلاع ملتے ہی اس کے مطابق اپنا کوئی فیصلہ سنانے کے بجائے اسے ایوان کو اپنے ایک ایسے پیغام کے ساتھ واپس کردے جس میں یہ وضاحت ہو کہ ایوان اس پہلو پر از سرنو غور کرے، اس کے بعد دونوں ایوانوں کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بل پر صدر کے مشورے کے مطابق غور کرے اور پھر جو فیصلہ ہوا سے صدر کے سامنے پیش کرکے اس کی منظوری کا اعلان کرے۔

مالیاتی امور میں طریقۂ کار:

دستور کی دفعہ ۱۱۲ر کی توضیحات کے مطابق سال میں ایک مرتبہ پورے سال کی آمدنی اور خرچ کا تخمینہ پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا ضروری ہے اور یہ ایسے وقت میں پیش ہوتا ہے جب کہ صدر موجود ہو۔

پارلیمنٹ میں بحث پر پابندی :

دستور کی دفعہ ۱۲۱ر کے مطابق پارلیمنٹ میں سپریم کورٹ، عدالت عالیہ یا کسی جج کے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں کوئی بحث کی اجازت نہ ہوگی، ہاں پارلیمنٹ کے ارکان صدر کو ایسی تحریر پیش کرسکتے ہیں جن میں ان کے کام کاج پر عدم اطمینان کا اظہار کرکے ان کو عہدے سے برخواست کیے جانے کی مانگ کی گئی ہو۔

اسی طرح کسی عدالت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ پارلیمنٹ کی کارروائی کی تحقیق کرے، یا اس پر اپنے کسی ردعمل کا اظہار کرے۔

☆☆☆☆☆☆

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

گوشۂ خواتین

چھٹی قسط

\CLIPS\ not found.

اسلام میں پردہ کی اہمیت

سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراءللبنات،مظفرآباد

آوازکا اخفاء:

غض بصر، شرمگاہوں کی حفاظت ، اخفائے زینت اورمحارم کے بیان کے بعد چوتھا اہم مسئلہ جو یہاں بیان کیا گیا ہے، وہ عورتوں کی آواز کا مسئلہ ہے، چنانچہ عورتوں کوحکم دیا گیا ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے پیرزمین پراتنے زور سے نہ رکھیں، جس سے زیور کی آواز نکلے اوران کی مخفی زینت مردوں پرظاہر ہو،اب مسئلہ یہاں یہ اٹھتا ہے کہ کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہےاورغیرمحرم کوآواز سنانا ناجائز ہے؟ اس معاملہ میں ائمہ کا اختلاف ہے،لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازوا ج مطہراتؓ حجاب کے نزول کے بعدبھی پس پردہ غیرمحرم سے بات کرتی تھیں،اس سے راجح اورصحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع او رجس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو، وہاں ممنوع ہے، جہاں یہ نہ ہوتو جائز ہے(بجصاص) اوراحتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیرمحرموں سے گفتگونہ کریں۔

استیذان کاحکم :

چھٹی آیت سورہ نورمیں یہ ہے"یٰٓاَیُّھَاالَّـذِیۡنَ آمَنُوا لاَ تَدۡخُلُوا بُیُـوتاَ غَیرَ بُیُوتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتاۡنِسُوا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰی اَھۡلِھَا ، ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۔

''یعنی اے ایمان والوں اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں مت داخل ہو، جب تک اجازت نہ لےلواورگھر والوں کوسلام نہ کرلو، یہ بہتر ہےتمہارے حق میں تا کہ تم یادرکھو۔

گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ خواتین خانہ کسی اجنبی کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو پوری طرح پردہ میں کرلیں۔

بوڑھی عورتوں کا حکم :

ساتویں آیت سورہ نورکی یہ ہےیٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوَ لِیَسۡتَأۡذِنۡکُمۡ الَّـذِیۡـنَ مَـلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ وَالَّذِیۡنَ لَمۡ یَبۡلُغُوۡا الۡحُلُمَ مِنۡکُمۡ ثَلاَ ثَ مَرّٰاتٍ ۔

''اے ایمان والو! (تمہارے پاس آنے کے لیے) تمہارے مملوکوں کواورجوتم میں حد بلوغ کونہیں پہونچے، ان کوتین وقتوں میں اجازت لیناچاہئے،(ایک تو) نمازصبح سے پہلےاور(دوسرے)جب دوپہرکو(سونے لیٹنے کے لیے) اپنے (زائد) کپڑےاتاردیاکرتے ہواور(تیسرے) نمازعشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں،ان اوقات کے علاوہ (بلا اجازت آنے میں) ان پر کچھ الزام نہیں ہے(کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اورکوئی کسی کے پاس (پس ہر وقت اجازت لینے میں تکلیف ہےاورچونکہ یہ وقت پردہ کےنہیں ہیں،اس لیےان میں اپنے اعضاء مستورہ کوچھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں) اسی طرح اللہ تعالی تم سےاپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہےاوراللہ تعالی جاننے والا حکمت والا ہےاورجس وقت تم میں سے وہ لڑکے(جن کاحکم اوپرآیا ہے) حدبلوغ کوپہونچیں(یعنی بالغ یاقریب بہ بلوغ ہوجائیں)توان

کواسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان سے اگلے (یعنی ان سے بڑی عمر کے) لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اور (ایک بات یہ جاننا چاہئے کہ پردے کے احکام شدت فتنہ کے خوف پر مبنی ہیں، جہاں فتنہ کا عادۃ احتمال نہ ہو، مثلاً جو (بڑی بوڑھی) عورتیں، جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی امید نہ رہی ہو (یعنی وہ محل رغبت نہیں رہیں) ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے اوپر کے کپڑے (جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے، غیر محرم کے روبرو بھی) اتار رکھیں، بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (اگرچہ بڑی بوڑھی عورتوں کے لیے غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے؛ لیکن (اس سے بھی احتیاط رکھیں، تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے''۔

اس سے پہلی آیات میں حجاب اور پردے کے احکام مفصل آ چکے ہیں اور ان میں دو استثناء ذکر کئے گئے ہیں، ایک استثناء ناظر یعنی دیکھنے والے کے اعتبار سے، دوسرا استثناء منظور یعنی جس کو دیکھا جائے، اس کے اعتبار سے، ناظر کے اعتبار سے، تو محارم کو اور اپنی مملوکہ کنیزوں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ کیا گیا۔

اور منظور یعنی جس چیز کو نظروں سے چھپانا مقصود ہے، اس کے اعتبار سے زینت ظاہرہ کو مستثنیٰ کیا گیا، جس میں اوپر کے کپڑے برقع یا بڑی چادر باتفاق مراد ہیں، یہاں اس آیت میں ایک تیسرا استثناء عورت کے شخصی حال کے اعتبار سے یہ کیا گیا، کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جاوے کہ نہ اس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو، تو اس کے لیے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دی گئی، کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم ہو جاتے ہیں، مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لیے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں، یہ عورت غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے، بشرطیکہ بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے، دوسری بات آخر میں یہ فرمائی ''وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ '' یعنی اگر وہ غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایسی (بوڑھی) عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ برقع اور چادر اتار دیا کریں، صرف دوپٹے اور کرتے پاجامے میں رہیں، مگر بوڑھی عورتوں کو اپنے بالوں کا پردہ ہر حال میں ضروری ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات کا خلاصہ یہ ہے

۱- عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

۲- اگر کسی شدید ضرورت سے باہر نکلنا ہی پڑے تو اپنے سارے جسم کو بڑی اور موٹی چادر یا برقع میں لپیٹ کر نکلے۔

۳- مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت بلا ضرورت مرد کو نہ دیکھے۔

۴- مرد کو کوئی چیز عورت سے مانگنی ہو یا بات کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو پردہ کے پیچھے سے بات کرے۔

۵- عورت جب غیر محرم سے بات کرے، تو پردے کے پیچھے سے بات کرے اور اپنی آواز کو سخت اور درشت بنا کر بات کرے، نرم آواز سے بات نہ کرے۔

۶- عام حالات میں چہرہ، ہاتھ اور قدم کے علاوہ اپنا جسم محرم کے سامنے نہ کھولے اور ہر وقت ستر کو ڈھانکے رکھے۔

پردہ کی اول مخاطب عورتیں:

یہ بات قابل ذکر ہے کہ گذشتہ قرآنی آیات میں پردے کے احکام جن عورتوں مردوں کو دیئے گئے ہیں، انہیں (خاص طور سے) عورتیں تو ازواج مطہراتؓ ہیں، جن کے دلوں کو پاک صاف رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، جس کا ذکر آیت ''لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ'' میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۳۳)

اولین مخاطب مرد:

دوسری طرف جو مرد مخاطب ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جن میں بہت سے حضرات کا مقام فرشتوں سے بھی آگے ہے۔ ﴿بقیہ صفحہ ۳۹ پر﴾

ذرائع ابلاغ

جدید ذرائع ابلاغ اور اشاعت دین

مولانا مشیر عالم قاسمی دارالعلوم دیوبند

عرصہ ہوا یہ سوال خارج از بحث ہو چکا، کہ جدید ذرائع ابلاغ عوام الناس کی زندگی پر اثر انداز ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اس قضیہ کے نظریاتی مسائل اب نظریات سے بڑھ کر عملی میدان میں داخل ہو چکے ہیں، آج کے دور جدید میں ذرائع ابلاغ انسانی زندگی کے لیے ایک ثقافتی ادارہ کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں، اپنے نقطۂ نظر کی اشاعت، دعوت، علم وتحقیق کا تبادلۂ خیال، خرید وفروخت اور مذاہب واشخاص کی تحریکات ونظریات کے فروغ کا بہترین ذریعہ بن چکے ہیں اور یہ ایک ایسی مسلمہ قوت کی شکل اختیار کر چکے ہیں، جس سے بڑے بڑے کام لئے جارہے ہیں، آج اسی قوت کے ذریعہ حق کو باطل اور باطل کو حق کا لبادہ پہنایا جارہا ہے، سچ کو جھوٹ، جھوٹ کو سچ، مفاسد کو مصالح، مضار کو منافع کے رنگ میں اور زہر کو تریاق بنا کر پیش کیا جارہا ہے، اور ساری دنیا اس سے پوری طرح متأثر ہوتی نظر آرہی ہے۔

اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کی تبلیغ واشاعت، نیز اسلام کی حمایت اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت ہر زمانہ میں مجموعی طور پر پوری قوم پر واجب؛ بلکہ فرض علی الکفایہ ہے اور بعض حالات کی بناء پر فرض عین بھی ہوجاتا ہے، اب رہی یہ بات کہ جدید ذرائع ابلاغ جو اپنے نظریات وافکار کی تبلیغ واشاعت کے لیے آج کے دور میں بہترین اور مؤثر طریقہ بن چکے ہیں، کیا ایسے وقت میں ان آلات ووسائل کا استعمال دین وملت کی اشاعت وفروغ کے لیے کیا جاسکتا ہے؟ یہ وقت کا ایک اہم سوال ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت ساری دنیا میں باطل کا زور ہے، تمام باطل طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہوکر ساری دنیا میں غلط پروپیگنڈہ کررکھا ہے، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کے خلاف شور وغلغلہ برپا کررکھا ہے، ہر چہار جانب سے مسلمانوں کو ان کے مذہب سے متنفر کرا کے بے دین بنانے اور غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے منظم کوششیں کی جارہی ہیں اور اسلام کی طرف سے ذہنی وفکری ارتداد پھیلانے کا منصوبہ بند عمل کیا جارہا ہے اور اس کے لیے جہاں دوسرے ذرائع کا استعمال کیا جارہا ہے، وہیں جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال اولی درجہ میں ہے۔

ظاہری بات ہے کہ ایسے حالات میں جدید ذرائع ابلاغ کے تئیں مسلمانوں کی ذمہ داریاں بہت کچھ بڑھ جاتی ہیں، کیونکہ دشمنان اسلام کی طرف سے گویا کہ ایک قسم کا زبردست چیلنج ہے، جس کا اگر فوری تدارک اور اسی شان کے مطابق مقابلہ نہ کیا گیا اور محض خلاف ادب اور خلاف تقوی کو بنیاد بنا کر، یا اس بات کو آڑ بنا کر کہ یہ مغرب کی پیداوار ہے، دشمنوں نے اسے ایجاد کیا ہے، یہ آلات برائی وشر کا ذریعہ بن چکے ہیں، وہی ان کے استعمال کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، ان جدید ذرائع کو دین کے فروغ کے لیے استعمال نہ کیا گیا تو آنے والا وقت مذہب اسلام کے لیے بہت ہی خطرناک ہوگا اور دین سے بیزاری وارتداد کی ایک ایسی وبا سے دوچار ہونا پڑے گا جس پر قابو پانا نہایت ہی مشکل ہوجائے گا اور اس کے آنے والے طوفان کا مقابلہ ہم شتر مرغ کی طرح ریت میں منھ چھپا کر نہیں کرسکتے، بلکہ ضرورت اقدامی عمل کی ہے۔

نیز یہ کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو باطل طاقتیں اپنا کوئی مدمقابل میدان میں نہ پاکر بالکل آزاد ہوجائیں گے اور پھر اسلام اور مسلمانوں کی یکطرفہ طور پر جو شبیہ ابھر کر سامنے آئے گی وہ انتہائی جھوٹی، گھناؤنی

اور قابل نفرت ہوگی۔

اسی کے ساتھ یہ امر واقعہ بھی ہے کہ مغربی اور ترقی یافتہ ممالک میں ذرائع ابلاغ کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے اور وہاں کے عوام کو نہ صرف ان چیزوں سے بہت دلچسپی ہے، بلکہ ان کے نزدیک ان چیزوں کو بڑی اہمیت بھی حاصل ہے اور یہی ذرائع ان کے نزدیک اب مقبولیت و سنجیدگی کے معیار بھی ہیں اور ان میں سے بہت سارے ایسے سلیم الفطرت لوگ بھی ہیں جن کو ریڈیو، ٹی، وی وغیرہ سے دلچسپی محض گانے اور تماشوں کی وجہ سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان سے اپنی ذہنی الجھنوں کا حل اور روحانی علاج بھی چاہتے ہیں، لیکن مغربی میڈیا، کے غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے ان کی حق تک رسائی نہیں ہو پاتی، اگر ایسے وقت میں ان ذرائع سے نشر ہونے والے پروگرام کے ذریعہ ان کے باطل افکار و نظریات کے نقائص کو بے نقاب کیا جائے، اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کی جائے اور دین اسلام کی حقانیت صحابہ کرام کے واقعات، مجاہدین ملت کے روشن و عظیم کارنامے، بزرگان دین کے تذکرے اور اسلامیات پر مشتمل مستند و معتبر لٹریچر پیش کیا جائے تو اتمام حجت کے ساتھ بہت کچھ نفع اور خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔

کسی زمانہ میں یونانیوں نے منطق وفلسفہ کے ذریعہ اسلام کی بیخ کنی کرنا چاہی تو اس وقت کے حساس علماء امت اور قائدین ملت نے اس سے اسی شان کا مقابلہ کیا اور اس پر اس قدر محنت کی کہ منطق وفلسفہ اسلام کی بیخ کنی کے بجائے اسلام کی اشاعت کا ذریعہ اور شناخت بن گیا، اسی طرح دور جدید کے ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی، وی، انٹرنیٹ جسے آج اسلام کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر استعمال کیا جا رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو اب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے استعمال کیا جائے چونکہ اگر ان کے سلسلہ میں جمود و تعطل کو روا رکھا گیا تو آنے والا دن اسلام کے حق میں بہتر نہیں ہوسکتا، اس لیے آج وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ دشمنان اسلام کی چیرہ دستیوں کا مسکت جواب دینے اور دین کی کما حقہ تبلیغ کے لیے ان آلات کے تئیں مؤثر قدم اٹھایا جائے، ان کو اپنے حق میں شجر ممنوعہ قرار دینے کے بجائے ان کو ایسا صحیح رخ دیا جائے، جو جائز ہونے کے ساتھ مفید اور مؤثر بھی ہو، اگر اس میں تھوڑی سی بھی غفلت سے کام لیا گیا، تو یہ بہت ہی بڑی ناعاقبت اندیشی ہوگی اور اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہو جائے گی کہ میدان جہاد میں دشمنان اسلام تو مزائیلوں کا استعمال کریں اور مسلمان وہی پرانا ہتھیار، تیر، تلوار، نیزہ اور برچھی لیے پھریں۔

﴿بقیہ صفحہ ۲۸ کا﴾ ۱۸۵۹ء میں آپ نے مراد آباد میں فارسی مدرسہ قائم کیا، ۱۸۶۰ء میں شمال مغربی علاقوں میں سرسید نے قحط زدہ لوگوں کے لیے حکومت کے تعاون سے شاندار لنگر کا اہتمام کیا، ۱۸۶۴ء میں مراد آباد میں یتیم خانہ کھولا، ۱۸۶۴ء میں ہی غازی پور میں سائنٹی فک سوسائٹی قائم کی، اس طرح کی سرگرمیاں بتاتی ہیں کہ وہ تعلیم کو نوع انسانی کی وسیع تر خدمت کا ہی ایک ذریعہ مانتے تھے اور اس طرح جدید تعلیمی نظریات سے وہ زندگی کو ایسا رخ دینا چاہتے تھے جس کی ابدی افادیت زندگی کو مداومت بخش سکے، سرسید احمد خاں کی زندگی میں ان کے کالج سے ۱۲۶/ مسلمان گریجویٹ پیدا ہوئے، عصر حاضر کی ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ قدیم وجدید نظریات کو ان کے صحیح پس منظر میں جاننے کی کوشش کی جائے، ایک انگریز کا یہ قول سرسید کی زندگی پر صادق آتا ہے کہ ”دنیا میں بڑے آدمی گذرے ہیں مگر ایسے بہت کم آدمی ملیں گے، جن میں اتنی صفات ایک جگہ ہوں، جیسے کہ سرسید کی زندگی میں جمع ہوگئی ہیں“ سرسید نے جدید تعلیم کا مشن ایسے وقت میں شروع کیا تھا جب کہ ۱۸۳۵ء میں گورنمنٹ نے انگریزی تعلیم کی تبلیغ واشاعت شروع کی، تو اس کے حوالے سے ہندوستان میں یہ خیال پھیلا رہا کہ یہ سب کوشش مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ہیں، ان حالات میں مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل ترین کام تھا، سرسید نے اپنی مدد آپ کرنے کے جذبہ کو بیدار کرنے کی خاطر بھی جدید تعلیم کی ضرورت پر زور دیا۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم ان مشاہیر کی زندگی کا مطالعہ کریں جنھوں نے اپنی انتھک محنت اور بے لوث خدمت سے ملک وقوم کو نیا وقار عطا کیا، اس سلسلے میں تاریخ ہند کا حقیقی انداز میں مطالعہ ملک کو قومی یک جہتی سے آراستہ کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے، یہی کچھ خلاصہ ہے سرسید احمد خاں کی روشن دماغی اور بے لوث علمی خدمات کا، آپ نے ۲۷/ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڈھ میں وفات پائی، خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

موازنہ

دور جاہلیت-اوراسلام میں عورت کا مقام

محترمہ عرفانہ خاتون کھجناوری

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے پورے عالم انسانیت پر ضلالت وجہالت اور شرک وکفر کی سیاہ چادر لپٹی ہوئی تھی فضائے کائنات پر نفرت وعداوت کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، ہر طرف عداوت ودشمنی کے شعلے بھڑک رہے تھے،ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کی جان لے لینا سرے سے کوئی جرم ہی نہیں رہ گیا تھا ، بھائی چارگی اوراخوت ومحبت کے سنہرے اورخوبصورت الفاظ وحروف معاشرے سے بالکل غائب ہو چکے تھے، یایوں کہا جائے کہ انسانی قلب "فھی کالحجارۃ او اشدقسوۃ" کا مصداق بن چکا تھااور قرآن شریف کے یہ الفاظ "اولئك كالانعام بل هم اضل" ان پر پورے پورے صادق آرہے تھے اور پورا معاشرہ پوری انسانیت، بلکہ پوری دنیا حیوانیت ودرندگی اورتباہی وبربادی کے آخری کنارہ پر پہنچ چکی تھی، کمزوروں پرظلم وستم کے پہاڑتوڑے جارہے تھے،عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا، ایک باپ اپنی شیر خوار بچی کوایک گہرا گڑھا کھودکر اس میں زندہ دفن کردیتا تھا ، بچی چیختی چلاتی او رباپ سے مددطلب کرتی؛لیکن وہ ظالم باپ اوپر سے ڈھیلے مار مار کراورمٹی ڈال کر اس کو دبا دیتا اور زمین ہموار کرکے چلا آتا اورانہیں اس فعل پر کوئی شرمندگی بھی نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کوفخر سے بیان کرتے تھے، کہ ہم نے اپنی بیٹی کوقتل کیا ہے، یا ہم نے اسے زندہ دفن کردیا ہے، آپ ذرا غورتو کیجئے کہ ایک درندہ صفت باپ جب اپنی بیٹی، ایک معصوم بچی کواس طرح زندہ دفن کررہا ہوگا،تو اس وقت کیا دردوالم ہوتا ہوگا، رنج وغم کا کس قدر دل کوجلانے والاسماں ہوتا ہوگا، کیا زمین وآسمان اس منظرکودیکھ کر پھٹ نہ پڑے ہوں گے، کیا فرشتے اس منظرکودیکھ کررونہ رہے ہوں گے، آپ ذرا غور کیجئے کہ اسلام سے پہلے کس طرح سنگ دل باپ اپنی بیٹی نورچشم کواپنے ہاتھوں سے زندہ درگور کردیتا،غرض یہ کہ اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے دنیا میں ظلم وستم کا کوئی ایسا پہاڑنہیں تھا، جوعورتوں کے اوپر نہ توڑا گیا ہو،کوئی ایسا جبروتشدد باقی نہیں تھا،جوان عورتوں کے ساتھ نہ کیا گیا ہواور مظلوم عورتوں کے لیے ان معصوم کلیوں کے لیے ہرنئی صبح ہلاکت وبربادی کا پیام لاتی ، ہرنئی شام انہیں خون کے آنسورلاتی تھی ، یعنی خدا تعالی کی یہ زمین اپنی تمام تر وسعت وکشادگی کے باوجود ان مظلوموں کے لیےان معصوموں کے لیے،ان بےبس ہستیوں کے لیے تنگ ہوکررہ گئی تھی،تو اس وقت یہ مظلوم معصوم کلیاں جبروتشدد کی شکار روروکر بارگاہ رحمت میں دامن رحمت کوتھام کرفریاد کررہی تھیں کہ اے اللہ! آپ ہمیں ان ظالموں کےظلم سےنجات دیجئے،تواچانک عرش عظیم تھرااٹھا،رحمت خداوندی جوش میں آگئی، پھراس نے اس دنیا کے سیاہ پردے پرایک ایسے پرنور کاظہورفرمایا، جو

بقول شاعر

تیری آمد سے دنیاپرکھلا ہے باب رحمت کا
بڑااحسان ہے کونین پرتیری رسالت کا
کرےاندازہ کیا کوئی بشراس کی فضیلت کا
درود پاک جس پر بھیجتا ہےخود خداہردم

جوسارے جہاں کا دکھ درد اپنے دل میں سمیٹے ہوئے تھا ، جو انسانیت کاغمخوار، مظلوموں کامددگار، بےآسروں کا آسرا، یتیموں کاوالی، غریبوں کا مولاتھا، وہ آیا تواس نے حیوانوں کوانسان اورانسانوں کوفرشتہ بنادیا، وہ آیا تواس نے ضلالت وجہالت اورشرک وکفر کی اندھیاریوں میں

سعادت وہدایت کا چراغ روشن کیا، وہ آیا تو اپنے ہاتھ میں سعادت وہدایت کا ایسا چراغ لے کر آیا، جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

وہ چراغ اسلام تھا، اسلام نے آتے ہی اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی حالات کا رخ موڑ دیا، اسلام آیا تو اس نے ظلم وستم کی تیز وتند آندھی وطوفانوں کو بھی سنبھلنے کا موقع نہیں دیا، اسلام آیا تو اس نے جبر وتشدد اور ظلم وجور کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں کو بھی خاموش کر دیا۔

اسلام آیا تو اس نے برسوں سے پریشان حال عورتوں کو وہ عروج بخشا کہ جو عورت تحت الثری تھی، اسلام نے فوق ثریا پر پہنچا دیا، عورت گرد راہ تھی اسلام نے اسے آنکھوں کا سرمہ بنا دیا، عورت کانٹوں کے بستر پر تھی، اسلام نے اسے پھولوں کے پتوں پر بٹھا دیا، عورت موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھی، اسلام نے اسے دوبارہ نئی زندگی عطا کی، عورت زیب میخانہ تھی، اسلام نے اسے زیب کا شانہ بنا دیا، عورت پامال تھی، اسلام نے اسے باکمال بنا دیا، عورت برباد تھی، اسلام نے اسے آباد کیا، عورت ناشاد تھی اسلام نے اسے شاد کیا، عورت کذب کی بیٹی تھی، اسلام نے اسے الفت کی دیوی بنا دیا، عورت مردوں کے لیے کھلونا تھی، اسلام نے اسے بہن بنا کر اس پر شفقت کے پھول نچھاور کر دیئے اور اسلام نے تاروں سے چمک، پھولوں سے مہک، چاند سے چاندنی، سورج سے جذبۂ ایثار، زمین سے تواضع اور آسمان سے بلندیٔ کردار حاصل کر کے اسے انسانیت کے سرکہ میں ملا کر معجون مرکب تیار کیا اور پھر وہی عورت کی حیثیت بن گئی، بہر حال اگر اسلام عورتوں کو یہ مقام نہ دیتا تو آج کوئی باپ اپنی بیٹی کی پیدائش پر سر اٹھا کر نہ چل سکتا، اگر اسلام عورت کو یہ مقام نہ دیتا، تو ماں کے قدموں کے نیچے جنت نہ بتلائی جاتی، اگر اسلام ماں کو یہ عزت ومقام نہ دیتا، تو ماں کو اف تک کہنے، بلکہ مارنے، گھر سے نکال دینے میں کوئی دریغ نہ کرتا، اگر اسلام عورت کو یہ عظمت نہ دیتا، تو بوڑھی مسلمان خواتین کے لیے بھی ریٹائرڈ ہوم تعمیر کرنے پڑتے، بہر حال یہ اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان وکرم ہے، کہ اس نے محسن انسانیت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اور قرآن کریم نازل فرما کر عورتوں کی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر پہلو کا تحفظ فرمایا اور معاشرے سے گری ہوئی اور معاشرے کی دبی ہوئی مخلوق کو وہ عروج دیا، وہ مقام دیا اور وہ حقوق عطا کئے کہ جو آج تک نہ کسی مذہب نے اور نہ کسی حکومت وعدالت نے دیا ہے اور نہ ہی قیامت تک دے سکیں گے۔

﴿بقیہ صفحہ ۳۵/ کا﴾ جب قرون اولی کے ان پاکیزہ حضرات کو پردے کے احکامات دئے گے، تو بعد کے ادوار کے لوگ تو ان احکامات کے زیادہ مخاطب ہوئے، کیونکہ قرب قیامت کی وجہ سے فسق وفجور اور شہوانیت ونفس پرستی میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے، آج کون ہے جو اپنے نفس کو صحابہ کرامؓ کے نفوس سے پاکیزہ اور اپنی عورتوں کے نفوس کو ازواج مطہرات کے نفوس سے زیادہ پاکیزہ ہونے کا دعوی کر سکے اور یہ سمجھے کہ ہمارا اختلاط عورتوں کے ساتھ کسی خرابی کا موجب نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۷/ ص ۲۰۰)

ظاہر ہے جب ان پاک نفوس اور نیک ہستیوں کے بارے میں حق سبحانہ وتعالی کے یہ ارشادات ہیں، تو ہما شما کون ہیں، مارا از اں چہ نسبت؟

اعلان

ماہنامہ نقوش اسلام کے تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے، اس کے علاوہ رسالہ میں اشتہار کے لیے بھی ادارہ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے

نوٹ

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' ایک دینی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہونچانے میں ہمارا تعاون کیجئے۔

مسجد تو بنا لی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

لائحہ عمل

امت کو علماء حق کی ضرورت

مولانا شمیم احمد بستوی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ علماء سلف وخلف، بلندیٔ ہمت، شجاعت وصداقت اور جرأت نیز خلوص وللّٰہیت کے آئینہ دار تھے، وہ تابندہ ودرخشندہ ستارے تھے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ:

زمین میں علماء کا وجود آسمان میں تاروں کے مانند ہے، اگر تاروں کی روشنی ماند پڑ جائے تو مسافر راستہ بھٹک جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

قرآن وحدیث میں علماء کرام کے متعدد مقام پر اوصاف وفضائل مذکور ہیں؛ لیکن یہ تمام بشارتیں اور فضائل ان علماء کرام کے لیے ہیں جو علم وعمل دونوں کا مظہر ہوں، جو حق گو اور نڈر ہوں "**انما یخشی الله من عباده العلماء**" کا جیتا جاگتا نمونہ ہوں، دین اسلام کے سنتری وپاسبان ہوں، جن کے اعمال وکردار قرآن وسنت کی چلتی پھرتی تصویریں ہوں، جن میں ظالم کو ظالم کہہ دینے کی جرأت اور انسداد ظلم کا حوصلہ ہو، انھیں کسی ظالم وجابر کا رعب ودبدبہ حق گوئی وبے باکی سے روک نہ سکتا ہو۔

ماضی میں علماء حق نے، حق کو حق کہنے اور باطل کو باطل کہنے کی پاداش میں سخت ترین حالات اور آزمائشوں کا نہایت صبر وپامردی سے مقابلہ کیا اور ظالم حکومتیں مال ومنصب کی لالچ دینے کے باوجود انھیں اپنا ہم نوا وہم خیال نہ بنا سکیں، کیونکہ علماء حق ہمیشہ اس ارشاد الٰہی پر کاربند رہے "**ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار**" (ہود ۱۱۳)

حق کی راہ میں آزمائش اہل حق کے لیے سنگ ہائے میل ہوتے ہیں، وفا اور جفا کی پہچان، دعوائے محبت کی اصلیت، حق کی ہمراہی دراصل آزمائشوں ہی سے ثابت ہوتی ہے، چنانچہ روز اول سے ہی اللہ تعالی نے اپنے خاص بندوں کو اور خاص کر انبیاء کرام کو سب سے زیادہ آزمایا ہے، لہٰذا یہ امر واقعی ہے کہ راہ حق اور آزمائش لازم ملزوم شئ ہیں۔

بڑا عجیب معاملہ ہے کہ ہم انقلاب کی توقع ایرکنڈیشنوں میں بیٹھ کر کرتے ہیں، اصلاح امت کا خواب مدرسوں کی چہار دیواریوں اور مسجدوں وخانقاہوں میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں، جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ انقلاب کے لیے انبیاء کرام نے بڑے مصائب جھیلے ہیں، اس راہ میں انھیں بڑے بڑے معرکے سر کرنے پڑے ہیں، سیدنا ابراہیمؑ کی پوری زندگی ابتلاء وآزمائش کی شاہکار ہے، نار نمرود کے بھڑکتے ہوئے شعلے، ہجرت، اولاد سے محرومی، عزیز بیٹے کی قربانی، اتنی آزمائشوں کے بعد وہ خلیل اللہ کے لقب سے ملقب ہوئے، جب کہ ہم علماء کرام ہزار تن آسانیوں کے بعد محبت الٰہی کا دم بھرتے ہیں۔ ع

نکل کر خانقاہوں سے بدل نظم جہاں گیری
مئے غفلت کے متوالے یہ تن آسانیاں کب تک

حق کی راہ میں سب سے زیادہ آزمائش نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے، وادی طائف کی خشت باریاں، شعب ابی طالب کی سختیاں اور بدر وحنین کی تیراندازیاں، یہ حیات نبی کے وہ نمایاں نقوش ہیں جو رہتی دنیا تک متلاشیان حق کے لیے راہ نما بنے رہیں گے، صحابۂ کرام بھی انہیں آزمائشی مراحل سے گزر کر رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مصداق بنے، اسی تناظر میں ہم علماء کرام اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں، جو عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبان صحابہ کا دم

بھرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ جن کو دنیا امام اعظم کے نام سے جانتی ہے، ذرا ہم مطالعہ تو کریں آپؒ کی حیات ابتلاء کا، درس وتدریس پر پابندی، کوڑوں کی سوغات، جبریہ نظر بندی، جیل کی ہوااورزہر خورانی، یہ سب کیوں ہوا، اسی لیے تو کہ انہوں نے اقتدار وقت سے کسی طرح کا سمجھوتہ کرنے سے انکار کردیا۔

آج ضرورت ہے کہ ہم وارثین انبیاء ان اسوۂ ہائے عظیم کو اپنی عملی زندگی میں لائیں اوراس کفروشرک اور گمراہی کے دور اور ظلم وستم کے اس تاریک ماحول میں دعوت دین کو اپنا مقصد حیات بنائیں، بلاخوف وتذبذب اسلام کی دعوت کو پیش کریں اور سنت ابراہیمی اور دعوت محمدی کا انداز اختیار کریں۔

دورحاضر میں ایمان کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ ہم علماء کرام باہمی اختلافات وانتشار کی روش کو چھوڑ کر اسلامی پیغامات واحکامات کو جرأت مندانہ انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کریں اوراللہ کے بندوں کو غیراللہ کی عبادت سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانے کے لیے ہمہ تن مصروف ہوجائیں، مگر افسوس کہ علماء سوء کے ایک بڑے طبقہ نے حق سے بغاوت، باطل سے دوستی اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر سے چشم پوشی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، اگر یہ علماء سوء اب بھی کبرونخوت، پست ہمتی کو چھوڑ کر اسلاف کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوجائیں اور علماء سلف کا رول ادا کریں تو مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار، اسلام کی گمشدہ آب وتاب واپس لاسکتے ہیں۔

''خدارا'' نظم جہاں گیری کو بدلنے کے لیے مسجدوں وخانقاہوں سے نکلئے، سستی اورتن آسانی کو خیرآباد کہئے، جمود وتعطل کی کیفیت کو توڑ دیجئے اور دنیائے فانی میں سدار ہنے کی خواہش کو دل سے نکال پھینکئے، علماء کرام کا نہ تو یہ شعار رہا ہے اور نہ اسوہ، اگر آج ہم علماء سلف کے حقیقی وارث بن جائیں، تو دنیا ایک بار پھر امن وآشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

اٹھ کہ اب جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب سے تیرے دور کا آغاز ہے

اقوال زریں

۱- ضرورت مند کی جائز حاجت پورا کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔(امام حسنؓ)

۲- ایسے کام کرنے سے پرہیز کرو جن پر عذرخواہی کی نوبت پہنچے۔ (یوسف اسباطؒ)

۳- سب سے بڑی اوراچھی نصیحت یہ ہے کہ تقلید نبی ﷺ کرو۔(مجدد الف ثانیؒ)

۴- جو آدمی دعائیں نہ مانگے وہ بدقسمت ہے اوراس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔(بختیار کاکیؒ)

۵- مردوہ ہے جس کا کرداراس کی گفتگو کے مطابق ہو۔(سری سقطیؒ)

۶- اگر دشمن پر قدرت ہوجائے تو اس قدرت کا شکر اس طرح ادا کرو کہ دشمن کو معاف کردو۔(حضرت علیؓ)

۷- مصیبت یا خوشی کے وقت ناحق بات سے بچو اورحق بات پر ڈٹے رہو۔(حسن بصریؒ)

﴿انتخاب: قاری محمد ندیم استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی﴾

اکسیر نسخہ درستی چال چلن

سچ کے پھل، دیانتداری کے پھول، عاجزی کے انگور، اخلاق کا ریشم، سادگی کی پنکھڑیاں، پارسائی کا عرق، ادائیگی فرائض کا ست، ان سب چیزوں کو یاد الٰہی کی ہانڈی میں ڈال کر محبت کے چولھے پر رکھ کر عشق الٰہی کی آگ جلائیں۔ جب خوب پک جائے تو ٹھنڈا کرلیں، چھان کر شرافت کی بوتلوں میں بھرلیں، ہرروز رحم دلی کے گلقند کے ساتھ ملا کر انصاف کے چمچے سے نوش فرمائیں۔

پرہیز: غصے کی مرچ، ہنکار کی شراب، حسد کی آگ، لالچ کی مٹھاس، منشی اشیاء کی دید سے پرہیز۔

خوراک: حب الوطنی کی کھچڑی، نیک نیتی کا دودھ اور خوش خلقی کا ساگودانہ استعمال کیجئے۔

پیشکش: سید عبدالرؤف کھجناوری

اصلاحیات

مسلمان والدین کے اسلامی فرائض

حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری

صحیح اور معتبر روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ ہر بچہ فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے، پیدائش کے بعد ماں باپ بچہ کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں ''مامن مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه '' فطرت سے مراد یہ ہے کہ بچہ کا مذاق صحیح اگر وہ بیرونی اثرات سے بچا رہے، اسے فطری مذہب (اسلام) کی جانب رہبری کرے گا۔

ماں باپ جس رنگ وطریقہ پر زندگی گزارتے ہیں بچہ بھی اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت کے لیے بھی ضابطہ اور اصول بیان فرمائے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

بچے کی پیدائش پر اذان واقامت کہنا :

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جب حسن بن علیؓ پیدا ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

اس میں یہ مصلحت ہے کہ بچہ کو شروع سے ہی اللہ تعالی کی عبادت کی دعوت دیجائے اس لیے کہ یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

بچہ کی پیدائش پر تحنیک کرنا : ''تحنیك'' کے معنی ہیں کھجور کو چبا کر بچے کے تالو پر لگا دینا، متقی صالح انسان سے تحنیك کرانا بچہ کی سعادت کا سبب ہوتا ہے، حضرت موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور ایک کھجور سے اس کی تحنیك کی اور برکت کی دعا فرما کر بچہ میرے حوالہ کر دیا۔

بچہ کا نام رکھنا : ایک حدیث میں ہے، کہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھا جائے، دوسری روایت میں ہے کہ بچہ کا نام پیدا ہوتے ہی رکھنا چاہئے، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فوراً رکھنا ضروری نہیں، بہر حال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام کے معاملہ میں وسعت ہے، تنگی نہیں ہے خواہ پیدا ہوتے ہی نام رکھ دیا جائے، یا تیسرے دن یا ساتویں دن رکھا جائے جس دن اس کا عقیقہ ہو، سب کی گنجائش ہے، نام رکھتے وقت اس بات کا خیال رہے کہ ایسا نام منتخب کیا جائے جو بامعنی اچھا اور پیارا ہو، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق عمل ہو جائے۔

''إنکم تدعون یوم القیامة باسمائکم و باسماء آبائکم فأحسنوا أسمائکم'' (ابوداؤد)

تم لوگوں کو قیامت میں تمہارے والدین کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا اس لیے نام اچھے رکھا کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أحب اسمائکم إلی الله عزوجل عبدالله عبدالرحمن'' ''اللہ تعالی کو تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے، اللہ تعالی کے خصوصی ناموں کے ساتھ بچہ کا نام نہیں رکھنا چاہئے، جیسے احد صمد، خالق بلکہ عبدالاحد، عبدالصمد، عبدالخالق وغیرہ نام رکھنے چاہئیں:

حدیث میں آیا ہے کہ کسی نبی کے نام کے ساتھ نام رکھو، لڑکیوں کے نام ازواج مطہرات اور صحابیات کے ہم نام افضل ہے۔

عقیقہ : شریعت کی اصطلاح میں عقیقہ کے معنی ہیں بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بچے کی طرف سے بکرے یا بکری ذبح کرنا، عقیقہ سے ہر قسم کے خطرہ، بیماری، آسیب اور جنات وعفریت سے حفاظت ہو جاتی ہے، خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی

طرف سے ایک بکرا کیا جائے، جوحکم قربانی کے گوشت کا ہے وہی عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے لہٰذا اسے صدقہ کرنا ہدیہ کرنا سب درست ہے، نام وشہرت کے لیے عزیز واقرباء کو اکھٹا اور بیجا اسراف درست نہیں ہے، البتہ سنت کے مطابق مخصوص احباب علماء، صلحاء وطلباء دین کی عقیقہ کی خوشی میں دعوت کرنا اور گوشت پکا کر کھلانا درست ہے۔

ختنہ: ختنہ کرانا سنت ہے، بہت سے علماء اس کے وجوب کے قائل ہیں اس لیے کہ ختنہ دین کا شعار ہے اور اسی کے ذریعہ مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہوتا ہے، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اربعٌ من سنن المرسلين الختان والتعطر والسواك والنكاح" (الترمذی)

چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں ختنہ کرانا، خشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

بچہ جب بولنے لگے: نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا الہ الا اللہ سکھاؤ، جیسے ہی بچہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے تعلیم وتعلم کے لائق ہو تو اس کی تعلیم کی ابتداء قرآن کریم سے کرنی چاہیئے اور علم وہنر سکھانا چاہیئے۔

بری صحبت اور برے ساتھی: بچوں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کا بڑا سبب بری صحبت اور بدکردار ساتھی ہوتے ہیں، اسلام نے تربیت کرنے والوں اور والدین کی توجہ اس طرف دلائی ہے، کہ وہ اپنی اولاد کی مکمل نگرانی کریں سرپرستوں کو معلوم ہو کہ بچے کس کے ساتھ رہتے ہیں اور صبح وشام کہاں سے گذارتے ہیں، ان کے پاس جو چیزیں ہیں آپ نے دی ہیں یا کہاں سے آئی ہیں، تربیت کرنے والے اس بات کا خاص طور سے دھیان رکھیں کہ بچے ٹیلی ویژن، فلمیں اور سنیما بینی میں ملوث ہو کر اپنی زندگی خراب نہ کرلیں۔

سات سال کی عمر ہونے پر عبادت کا حکم دینا: آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مروا اولادكم بالصلوة وهم ابنا سبع سنين واضربوهم وهم ابناعشر وفرقوا بينهم في المضاجع" (ابوداؤد)

اپنی اولاد کو سات سال کی عمر ہونے پر نماز کا حکم کرو اور نماز نہ پڑھنے پر مارو، جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور ان کے بستر الگ الگ کردو (ظاہر ہے کہ وضو اور نماز کا طریقہ اس عمر سے پہلے ہی سکھایا جائے گا)

دوسری روایت میں ہے "اضربوه على الصلوة لسبع واعزموه فراشه لتسع وزوجوه بسبع عشرة (حصن حصین ۷۶ مطبوعہ کراچی) سات سال کی عمر ہوجانے کے بعد نماز نہ پڑھنے پر مارو اور نو سال ہونے پر بستر سے الگ کردو اور سترہ سال کی عمر ہونے پر نکاح کردو، آپ نے نو سال کی عمر ہونے پر بستر الگ کرنے کا حکم فرمایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس عمر کے بعد بچوں کو باہر نکلنے سے منع کیا جائے اور پردہ کا حکم دیا جائے، ماں باپ کے لیے اسلامی فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ جب لڑکا لڑکی جوان ہوجائیں تو ان کا نکاح کردیں، پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا، بوقت نکاح حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال پانچ مہینہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ مہینہ کی تھی، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ بیٹی کا نکاح پندرہ سال پانچ مہینے کی عمر میں کیا اور حصن حصین کی روایت میں آپ کا قول ہے کہ سترہ سال کی عمر ہونے پر نکاح کردو گویا کہ افضل یہ ہے کہ بوقت نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے مطابق اپنی اپنی بیٹیوں کا نکاح کردیا جائے اور آپ کے قول کے مطابق سترہ سال کے بعد توقف کرنا مناسب نہیں ہے، بلوغت کے بعد شادی میں تاخیر سے دینی ودنیاوی بہت سی خرابیاں ہیں جو اہل دانش پر مخفی نہیں ہیں، پے در پے واقعات سامنے آرہے ہیں، عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے، جہیز کے انتظار میں نکاح میں تاخیر اصول شریعت کے خلاف ہے، موقع پر جو بآسانی دستیاب ہو بیٹی کو دیدیا جائے، بیٹی کا رشتہ کرتے وقت لڑکے میں تین امر کا دیکھنا ضروری ہے:

۱- کمانے کی قوت ۲- کفاءت (برابری) ۳- دینداری

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذاخطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه الا ان تفعلوه تكن فتنه في الارض وفساد عريض (ترمذی) جب تم کو نکاح کا پیغام دے وہ شخص جس کے

دین وخلق کو تم پسند کرتے ہو تو نکاح کردو ورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا۔

بیٹے کے لیے کیسی بیوی ہو؟ ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "تنكح المرأة لأربع لحسبها ولمالها ولجمالها ولدينها فاظفر لذات الدين تربت يداك" عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، خاندانی شرافت کی وجہ سے، مال کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے اور دینداری کی وجہ سے اے مخاطب تجھے دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہئے۔

مہر: خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مقرر فرمایا تھا، جو سابقہ تولہ سے ۱۳۱/ تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۵۳۰/ گرام سونا اور نو سو ملی گرام چاندی ہے، اتنا زیادہ مہر باندھنا جس کی ادائیگی شوہر کے لیے دشوار ہو خلاف سنت ہے۔

مہر فاطمی کافی اور برکت کا باعث ہے۔

ولیمہ: مرد وعورت کے ازدواجی تعلق کے لیے نکاح کو اللہ تعالی نے حلت وجواز کا ذریعہ بنایا ہے، نکاح اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے اہم ترین نعمت ہے، اس نعمت کے شکریہ میں ولیمہ کے نام سے دوست واحباب عزیز واقارب کو کھانا کھلانا تمام انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے، نکاح سے پہلے مشروع نہیں، اگر کیا جائے تو شرعاً ولیمہ نہ ہوگا، بعض جگہ لڑکے والے برات جانے سے پہلے کھانا کھلاتے ہیں (جس کو عرف میں منڈھا کہا جاتا ہے) یہ غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچنا چاہئے، بعض جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی والوں نے براتیوں اور مہمانوں کے لیے اور لڑکے والوں نے ولیمہ کی دعوت میں کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا انتظام کیا ہے، یہ خلاف سنت ہے، اللہ تعالی کی نعمت کی قدر دانی میں یہ بھی ہے کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دائرہ میں رہ کر اس نعمت کا مسنون طریقہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر اطمینان وسکون کے ساتھ کھانا کھلایا جائے اور مشروبات کو بیٹھ کر پیا جائے، جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے اور چلتے پھرتے کھانا انسان کی فطرت اور امتیازی شان کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

"عن انسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تشرب قائماً فقيل الأكل قال ذلك أشد (ترمذی شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا اس پر سوال کیا گیا کہ کھڑے ہوکر کھانا کیسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کھڑے ہوکر کھانا اور زیادہ سخت برا اور گنا ہے۔

دوسری روایت میں اس سے بھی سخت الفاظ ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

"عن انسؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يشرب الرجل قائماً قال قتاده فقلنا فالأكل قال ذاك أشد واخبث" (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا، تو حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ کھڑے ہوکر کھانا اور زیادہ بدترین اور خبیث عمل ہے۔

نکاح شادی بیاہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور عبادت ہے، ایمان اور نکاح ایسی عبادتیں ہیں جو جنت میں بھی تھیں اور دنیا میں بھی ہیں اور پھر جنت میں بھی رہیں گی۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ شادی جیسی عبادت کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مسنونہ سے ہٹ کر انجام دیا جارہا ہے، اور کھانے کا انتظام بھی اسطرح کرتے ہیں کہ لوگ کھڑے کھڑے کھائیں اور جو لوگ کھڑے ہوکر کھانا نہیں چاہتے طریقہ مسنونہ پر انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی کھڑے ہوکر کھانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، لہٰذا گناہ اور ساری ذمہ داری حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور انسانی فطرت کے خلاف کھانے کا انتظام کرنے والوں کے سر ہوگی، نیز کھڑے ہوکر کھانے والے بھی ذمہ داری سے بری نہیں ہوں گے، بلکہ سب لوگ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور سنت کو ذبح کرنے میں شامل ہوں گے، اللہ تعالی تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

طرزِ عمل

ماہ رجب اور ہمارے اعمال

File :\CLIPS\ not

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

اسلامی دنیا میں یہ مہینہ رجب کے نام سے موسوم ہے،ایک ضعیف روایت یہ پھیلی ہوئی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج مبارک اسی مہینہ میں ہوئی تھی ، بہت سے مسلمان اسی روایت کو مان کر اس مہینہ میں طرح طرح کی خوشی کرتے اور بہت سی رسمیں بجالاتے ہیں،اول تو یہ روایت ہی ثبوت کو نہیں پہنچی ہے،لیکن جولوگ اس کے ماننے ہی پر زور دے رہے ہیں ذرا وہ اپنے دل میں سوچیں کہ اس کے ماننے کے بعد خوشی منانے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے ،آیا وہی جس کے وہ عادی ہیں یا کچھ اور؟ایسا نہ ہو کہ ہم خوشی منانے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کر بیٹھیں جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپسند کیا ہوااور ہمارے خدا کی ناخوشی کا باعث ہو۔

خوشی منانے کے دنیا میں بہت سے طریقے ہیں ،بعض قومیں خوشی کے وقت شراب پیتی ہیں،بعض ناچ دیکھتی ہیں،بعض آتش بازی میں اپنا روپیہ پھونکتی ہیں،لیکن مسلمان کا کام تو یہ نہیں کہ ان طریقوں سے اپنی خوشی کا اظہار کریں،اس لیے کہ ہمارے سچے مذہب نے ان سب صورتوں کو ہمارے لیے منع کر دیا ہے،دنیا کا تجربہ بھی یہی بتا تا ہے،کہ ان طریقوں سے نمائشی خوشی چند لمحوں کے لیے ہو جاتی ہے،لیکن بعد کو رنج وتکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے اور دل کی فرحت وراحت کو ایک لمحہ کے لیے بھی ان طریقوں سے نہیں ہوتی،مسلمان کو اتنا ناسمجھ تو نہ ہونا چاہئے کہ اس کی ناسمجھی پر دوسری قومیں ہنسیں اور وہ خود دنیا میں بھی اپنا نقصان کرے اور آخرت میں بھی اس کو شرمندگی اور پچھتاوا ہو۔

مسلمان کو معراج کا مرتبہ تو خدا کے فضل وکرم سے روزانہ حاصل ہو سکتا ہے اور وہ بھی ایک بار نہیں کم از کم پانچ بار،اس کی معراج نماز ہے۔ رسول خدا کو معراج میں خدا کی حضوری نصیب ہوئی تھی ،امت محمدی پر خدائے کریم کی یہ حد سے بڑھی ہوئی مہربانی ہے کہ اس کے ہر فرد کو دن میں کم از کم پانچ مرتبہ خدا کے دربار میں حاضری کے موقعے ہیں،پس جو لوگ واقعہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہینہ میں مان کر اس کی زیادہ عزت وعظمت کرتے ہیں انھیں تو واجب ہے کہ اس مہینہ میں وہ خود بھی اس دولت کے حاصل کرنے کی اور زیادہ کوشش کریں اور نماز کو حضور قلب اور جماعت وطہارت کے ساتھ ادا کرنے میں پوری ہمت ومستعدی کو کام میں لائیں ، یہی وہ طریقہ ہے جس سے دنیا میں بھی ان کے قلب کو راحت ومسرت حاصل ہوگی ،سب بھائی بھائی امن اور چین سے رہیں گے اور آخرت میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی دولت ہاتھ آئے گی۔

بہت سے ناواقف بھائی (اور بہنیں)رجب کی پہلی جمعرات کو بہت سی رسمیں بجالاتے ہیں اس مہینہ کی بعض تاریخوں میں بہت سی پوریاں پکا کر مٹھائی کے ساتھ ایک خاص مقام پر بیٹھ کر کھانا بڑا ثواب جانتے ہیں اور بعض راتوں کو خوب روشنی کر کے جلسہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں ، یہ ساری باتیں بعض انسانوں نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی دل سے گڑھ لی ہیں ،ان میں سے کوئی شئی نہ خدا کی بتائی ہوئی ہے ، نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ کسی صحابی کی ،بعض بزرگوں نے اس مہینہ میں چند نمازوں کا خاص ثواب لکھا ہے،اکثر علماء کے نزدیک یہ رائے بھی صحیح نہیں ،لیکن اگر صحیح بھی ہو تو بہر حال نماز ہی کی فضیلت رہی ، باقی تیل ،بتی ،گھی ،شکر ،میدہ وغیرہ پر روپیہ پھونکنے کا حکم کسی مستند صوفی ،کسی سچے فقیر ،کسی صاحب دل نے بھی کہیں نہیں دیا ہے،مسلمان کا کام ہے کہ بری رسموں سے دوسروں کو بچائے نہ یہ کہ دوسروں کی بری رسمیں خود اختیار کرے۔

☆☆☆☆☆

نئی کتابوں پر تبصرہ

مولانا نظام الدین ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

نام کتاب: تہجد گزار بندے

نام مؤلف: مولانا اعجاز احمد اعظمی

صفحات: ۳۲۰

قیمت: ۱۱۰/روپئے

ناشر: شعبہ تالیف وتصنیف انجمن شیخ الہند قاسم آباد، آنجان شہید اعظم گڈھ

اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں کی زندگی سے روشنی حاصل کر کے خود کو ان کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا ایک مستحسن عمل بھی ہے اور اسے عوام وخواص میں اخروی کامیابی کی ضمانت بھی مانا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو بدل کر اپنی زندگی میں صالح انقلاب کی تمنا رکھتے ہیں، وہ ایسے افراد کی زندگی سے سبق حاصل کرتے اور ایسے لوگوں کو نمونہ بنا کر خود کو ان کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جنھوں نے اپنی مسلسل دینی جد وجہد، خدمت خلق اور نیک اعمال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک اپنا بلند مرتبہ بنایا ہوتا ہے۔

لیکن چونکہ عام لوگوں کے لیے کسی بڑی شخصیت یا کسی نیک ہستی کا پہچاننا ایک مشکل امر ہوتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی رہنمائی کرنے والا اس کی رہنمائی کرے اور ان کی ایسے لوگوں تک رسائی حاصل ہو، جو علم وعمل کا پیکر ہو اور جن کی زندگی کو عملی نمونہ بنایا جا سکیں۔

اسی مقصد کے تحت اکابرین کے احوال کو یکجا کرنے کا سلسلہ ابتدائی زمانے سے جاری ہے اور اس سلسلے میں خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں مصنف نے انبیاء، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے ایسے نیک بندوں کے احوال سے گفتگو کی ہے، جن کے شب وروز عبادت خداوندی میں گذرے ہیں۔

مصنف نے جس طرح کے واقعات کو اپنی اس کتاب کا حصہ بنایا ہے، اس سے بذات خود مصنف کی اندرونی کیفیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مجموعی طور پر یہ کتاب ہر صاحب درد اور اپنی زندگی میں اصلاحی انقلاب کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے مفید ہے اور اس کا مطالعہ کرنے والے کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نام کتاب: اسلام نامی

نام مؤلف: محمد مختار

صفحات: ۲۱۲

قیمت: ۶۳/روپئے

ناشر: مکتبۃ الحق، ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲

حدیث کا مفہوم ہے کہ انسان کی ذات پر اس کے نام کا خاصا اثر پڑتا ہے، آدمی کا نام جس انداز کا ہوتا ہے اس کی شخصیت میں اس کے آثار بھی اسی طرح کے نمایاں ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرون اولی میں ہر شخص اپنے بچوں کے نام رکھنے میں بڑی دانشمندی اور احتیاط سے کام لیا کرتا تھا اور وہ اپنے بچوں کا ایسا نام رکھنے کی کوشش کرتے تھے، جو اس کی ذات وصفات دونوں کی علامت بن جائے۔

مگر اسے حالات کی ستم ظریفی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آج دنیا میں جس طرح سے مغربیت کا جال پھیلتا جا رہا ہے، لوگوں میں بے دینی اور بے راہ روی بھی اسی رفتار سے داخل ہوتی جا رہی ہے، جس کا اثر بچوں کے نام تک میں ظاہر ہے، آج مسلم معاشرے میں غیر اسلامی نام رکھنے کی وباء اس طرح پھیلی ہوئی ہے، کہ اب اسے غلط تصور کرنا یا اسے غلط قرار دینا ہی جرم سمجھا جاتا ہے۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو اس دینی بحران اور اس غلط روش سے نکال کر ان کے اندر اسلامی سوچ وفکر پیدا کرنے کی ایسی کوشش کی جاتی کہ ہر شخص اپنے بچوں کا نام اسلامی طرز کے مطابق رکھنے پر مجبور ہو جاتے۔

زیر نظر کتاب دراصل اسی احساس کا عملی نمونہ ہے جس کے اندر مرتب موصوف نے حروف تہجی کے اعتبار سے لڑکوں اور لڑکیوں کے ہزاروں کی تعداد میں ایسے اسلامی نام جمع کر دیئے ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

مصنف نے جس طرح کے ناموں کو یکجا کیا ہے اس سے ان کی محنت اور علمی وفکری صلاحیت کا اندازہ لگتا ہے، امید ہے کہ عوام وخواص اس کتاب کی اہمیت کو سمجھیں گے اور اس سے قابل قدر استفادہ کریں گے۔

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

مکرمی سلام مسنون!

نقوش اسلام کے جولائی کے شمارے میں جناب محمد ارشد فیضی صاحب کا مضمون ہندوستان کا قانون دلچسپی سے پڑھا، بہتر ہوگا اگر اس مضمون کا عنوان ''ہندوستان کا دستور'' ہو کیونکہ یہ دستور سے متعلق ہے۔

برائے کرم مندرجہ ذیل غلطیوں کی تصحیح کر لی جائے۔

۱-لوک سبھا کے ممبروں کی تعداد ۵۴۳ ہے نہ کہ ۵۳۰

۲- لوک سبھا میں خصوصی ممبر کے نام سے کوئی ممبر نہیں ہوتے، البتہ راجیہ سبھا میں ۱۲ ممبر نامزد کئے جاتے ہیں جو عام طور سے کسی نہ کسی فن یا علم کے ماہر خصوصی ہوتے ہیں، ان کو صدر جمہوریہ نامزد کرتے ہیں۔

۳- پارلیمنٹ نہیں بلکہ اس کے ایوان زیریں یعنی لوک سبھا کی مدت پانچ سال ہوتی ہے، الا یہ کہ اسے کسی وجہ سے اس سے پہلے ہی برخواست کر دی جائے۔

۴- راجیہ سبھا مستقل جماعت ہے، اس کے ایک تہائی ممبر ہر دو سال بعد ریٹائر ہوتے ہیں وہ کبھی برخواست نہیں کی جاتی۔ والسلام

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

ریٹائرڈ استاد سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

گرامی مرتبت مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی زید حسناتکم

سلام مسنون

جناب والا کی ادارات میں شائع ہونے والے ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے ترجمان ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کا تیسرا اور چوتھا شمارہ دیکھا اور پڑھا ماشاء اللہ ظاہری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ، عام فہم، معیاری، علمی، اصلاحی اور معلوماتی مضامین کا حسین گلدستہ اور لائق ستائش مجلّہ ہے، میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو اور آپ کے تمام رفقاء کار کو اس کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، سرورق کی دیدہ زیبی، مستند بزرگوں کی سرپرستی، اصحاب فکر کی مشاورت، سنجیدہ مزاج حضرات کی ادارت اور تحقیقاتی مضامین کا انتخاب انشاء اللہ ''نقوش اسلام'' کو ابھارنے میں بہترین مددگار ثابت ہوں گے، اللہ رب العزت آپ کے مقاصد میں کامیابی، عزائم میں پختگی، حوصلوں میں بلندی، افکار میں بالیدگی عطا فرمائے اور ''نقوش اسلام'' کے دائرہ کو وسیع و دراز فرمائے۔ آمین

مرکز اور ماہنامہ سے متعلق حضرات اور مولوی محمد ساجد جن کی کاوشوں اور کوششوں کے نتیجہ میں ماہنامہ ''نقوس اسلام'' ترقی کی راہ پر گامزن ہے کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش ہے۔ والسلام

محمد یامین قاسمی، مبلغ دارالعلوم دیوبند

مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم سونتہ رسول پور، مظفر نگر

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب..........سلام مسنون!

نوخیز ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کی شہرت تو کانوں میں بہت پہلے پڑ چکی تھی؛ لیکن اجراء کے بعد سے ابھی تک کوئی شمارہ دیکھنے کا موقع نہیں مل پایا تھا، پچھلے مہینے پہلی بار ''نقوش اسلام'' کا شمارہ پہنچا، موجودہ مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے جتنی ظاہری خوبیاں ہو سکتی ہیں (دیدہ زیب ٹائٹل، اچھا کاغذ، بہترین طباعت وغیرہ) تقریباً سبھی سے مزین، مضامین بھی مجموعی اعتبار سے عمدہ، ایسا لگ رہا تھا، کہ یہ کوئی انتہائی قدیم رسالہ ہے، جو اپنے مدیر اور ذمہ داران کی انتھک کوششوں سے مختلف ترقیاتی مراحل سے گذرتا ہوا اس اعلی معیار کو پہنچا ہے۔

پردے سے متعلق جو ایک قسط وار سلسلہ مضامین شروع کیا ہوا ہے، یہ ایک اچھی کاوش ہے، موجودہ دور ضلالت و گمراہی میں، جب کہ مغرب زدہ طبقوں کی طرف سے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے، اور شہوانی افکار ونظریات کی ترویج واشاعت اور ان کی عملی تشکیل کی کوشش روز افزوں ہیں، اس طرح کے مضامین کے ذریعے تمام انسانی شعبہائے زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

کسی بھی قوم و جماعت کا وہی زبان و ادب اچھا ہوتا ہے جو اس قوم کے اندر صالح معاشرے کی تعمیر اور پاکیزہ اخلاق کی ترویج میں اچھا کردار ادا کر سکے، اس لیے ضرورت ہے کہ ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ اخلاقیات پر بھی مستقل مضامین شائع کئے جائیں۔

مفتی محمد جاوید دارالعلوم دیوبند

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ نقوش اسلام کا جولائی ۲۰۰۶ء کا شمارہ آج موصول ہوا، ابھی طائرانہ نظر ہی ڈال پایا ہوں، پھر بھی عمدہ مضامین شامل اشاعت ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ رسالہ آگے چل کر ایک نمایاں مقام حاصل کرے گا۔

سید محمد اطہر

اطہر منزل اعظم کالونی، روشن گیٹ، اورنگ آباد

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

پاکستان کا انکار

اسلام آباد- پاکستان نے ایک بار پھر جوہری سائنس داں عبدالقدیر خاں کو امریکہ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ جب سے جوہری سائنس داں نے جوہری اسلحے اور ٹکنالوجی کے پھیلاؤ میں ملوث ہونے کا اقرار کیا ہے، امریکہ پاکستان پر اس بات کے لیے برابر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ انہیں امریکہ کے حوالے کر دے۔

مولانا مفتی محمد سرور فاروقی ندوی کی مرکز میں حاضری

مورخہ ۲۴/ جولائی کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ مولانا مفتی محمد سرور فاروقی نے چھٹمل پور میں مرکز الدعوۃ والتعلیم کے زیر انتظام منعقدہ جلسہ پیام انسانیت میں شرکت کی اور سیاسی، سماجی لوگوں کے علاوہ عصری درسگاہوں کے طلباء کی ایک بڑی جماعت سے خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا، جلسہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا ایک تحریری بیان بھی پڑھا گیا، جس میں مولانا نے اس طرح کے اجلاس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

جلسہ سے فراغت کے بعد مولانا سرور فاروقی ندوی کی شام کے وقت مرکز میں حاضری ہوئی، انہوں نے مرکز کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے ادارے جامعۃ فاطمۃ الزہرہ للبنات کا بھی معائنہ کیا اور اس کے تعلیمی و تعمیری نظام کو سراہا، اس کے بعد جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کے طلبہ کا معائنہ کیا، عصر کی نماز کے بعد مرکز کی مسجد الامام ابی الحسن الندوی میں ایک مختصر سے پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس سے مولانا نے خطاب فرمایا، انھوں نے مرکز کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اللہ رب العزت نے قرآن سیکھنے کے لیے منتخب کیا ہے، جو دراصل آپ کے اوپر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، اس کا آپ کو شکر ادا کرنا چاہئے آپ یہاں علم دین کے حصول کے لیے آئے ہیں لہٰذا آپ یہاں سے کچھ لے کر جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنا وقت لگانے کے باوجود بھی خالی ہاتھ واپس جائیں یہ آپ کے لیے بڑی محرومی کی بات ہو گی، مولانا نے کہا کہ یوں تو کوئی بھی چیز بغیر محنت اور جدو جہد کے حاصل نہیں ہوتی، مگر خاص طور پر جس مقصد کے حصول کے لیے آپ یہاں حاضر ہیں، اس مقصد کا بغیر محنت کے حاصل ہو جانا ناممکن ہے، اس لیے آپ کو اپنے وقت کی قدر کرتے ہوئے حصول علم میں پوری لگن، محنت اور دلچسپی کا مظاہرہ کرنا چاہئے تبھی آپ کو کامیابی مل سکتی ہے، مولانا نے اپنے مختصر سے بیان میں فرمایا کہ آج دنیا اسلام کو مٹانے کی تگ ودو میں ہے، جس کے لیے طرح طرح کے طریقے اور حیلے اپنائے جا رہے ہیں لیکن اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں چونکہ اس دین کا مالک خدا ہے اور اس نے اس کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے، ضرورت اس بات ہے کہ ہم اور آپ قرآن کے احکامات کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں چونکہ جب تک ہمارا اس پر عمل رہے گا اسلام مخالفین کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوگی، پروگرام میں مرکز کے طلبہ کے علاوہ مرکز کے روح رواں مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی اور جملہ اساتذہ کے ساتھ ساتھ مولانا خالد ندوی وغیرہ شریک تھے۔

ممتاز نامور صحافی مسعود عثمانی جوار رحمت میں

گہوارۂ علم وادب کے ممتاز صحافی اور نامہ نگار مسعود عثمانی مرحوم بھی بالآخر ۷/ جولائی بروز جمعہ کو جوار رحمت میں جا بسے وہ ۶۳/ برس کے تھے، موصوف مرحوم ایک خلیق ملنسار ادب نواز اور کہنہ مشق صحافی تھے انہوں نے تمام عمر سچائی کی حمایت میں اپنے قلم کا استعمال کیا اور صحافت کو ہمیشہ پاکیزگی اور تقدس کی بلندی پر رکھا، ان کے خاندان کے مطابق وہ پہلے صحافی اور نامہ نگار تھے جن کو صوبائی حکومت نے پاس جاری کر رکھا تھا، صحافت وادب میں انہوں نے اپنے منفرد اسلوب کی چھاپ چھوڑی اور اسیؔ کی دہائی میں وہ اس وقت کے سب سے مؤقر اخبار روزنامہ قومی آواز سے وابستہ ہوگئے اور اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کے چراغ روشن کئے، اسی دوران اجلاس صد سالہ کے موقع پر انہوں نے اپنا آرگن پندرہ روزہ ''نگراسپارٹ'' بھی شروع کیا جس نے علمی اور ادبی حلقوں سے خراج تحسین وصول کیا۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے مؤسس اور روح رواں جناب مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے جب ماہنامہ ''نقوش اسلام'' شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو قانونی امور کی انجام دہی کے لیے عثمانی صاحب کا انتخاب کیا اور اس میں دو رائے نہیں کہ ابھی تک ''نقوش اسلام'' کے رجسٹریشن کے حوالے سے جو کچھ پیش رفت ہوئی وہ مسعود عثمانی کی رہین منت تھی، مرحوم کے انتقال سے دیوبند اپنے ایک قابل قدر انسان سے محروم ہو گیا، اللہ غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

رپورٹ: محمد ساجد کھجناوری